

مبادیاتِ فِیۃ

از

مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب

اِنَّ اَرَاةَ اِسْلَامِیَّتَاہِ اَنَا اَرْکَلِیْ اِلَہُوہِ

بار اول : ستمبر ۱۹۸۰ء
باہتمام : اشرف برادر . لاہور
طباعت : دفاتر پریس
قیمت : ۱۵/-
ناشر : ادارہ اسلامیات

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ - انارکلی - لاہور
دارالاشاعت اردو بازار - کراچی ۱
مکتبہ دارالعلوم - دارالعلوم - کراچی ۱۳
ادارۃ المعارف - دارالعلوم - کراچی ۱۱

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم، فقیہ واحد اشد
على الشیطان من الف عابد



حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:
ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں
سے سخت تر ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۷	ساتویں تعریف	۶	پیش لفظ
"	فقہ کا موضوع	۷	مقدمہ کی تعریف اور اقسام مقدمہ
۱۸	فقہ کی غرض و غایت	۱۰	مقدمہ العلم
۱۹	استمداد	"	علم کی تعریف
"	حکم	۱۱	اقسام علم
۲۰	فضیلت	۱۲	فقہ کی لغوی تعریف
۲۲	ایک اہم تنبیہ	۱۳	فقہ کی اصطلاحی تعریفات
۲۷	اسماء	"	پہلی تعریف
۱۰	واضع	"	دوسری
۷۸	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ	۱۵	تیسری
"	کا تذکرہ	"	چوتھی
۳۱	حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	"	پانچویں
"	کا تذکرہ	۱۶	چھٹی

۶۳	طبقات فقہاء کا مفصل بیان	۳۲	زمانت فطانت
۶۵	پہلا طبقہ	۳۸	حاسدین و معاندین
۰	دوسرا طبقہ	۳۹	فقہ حنفی
۶۶	تیسرا طبقہ	۴۴	وفات
۰	چوتھا طبقہ	۴۶	حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا
۶۷	پانچواں طبقہ		تذکرہ
۰	چھٹا طبقہ	۵۰	حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ
۰	ساتواں طبقہ	۵۱	حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کا
۷۰	کیا اب بھی مجتہد مطلق پیدا ہو سکتے		تذکرہ
	ہیں ؟	۵۲	تذکرہ تلامذہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ
۷۱	طبقات کتب طبقات مسائل	۵۳	تذکرہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ
۷۵	متقدمین و متاخرین کا مصداق	۵۶	تذکرہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ
۰	سلف و خلف کا مصداق	۶۰	ایک ضروری نائدہ
۰	قالوا اور قیل کا مطلب	۶۰	تذکرہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ
۷۶	ینبغی اور لا ینبغی کا مطلب	۶۲	حسن بن زیاد رحمۃ اللہ
۰	لابأس کا مطلب	۶۳	امام صاحب کے دیگر تلامذہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیش لفظ

(از مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ دارالعلوم دیوبند)
قدرت نے انسان کی فطرت میں کسب کمالات کی بے پناہ خواہش و ولایت فرمائی ہے۔ جب اس کے سامنے کسی چیز کی خوبی بیان کی جاتی ہے تو اس کی حساس طبیعت اس کی تحصیل کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور غیر محسوس طور پر اس چیز کی محبت اس کے دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے فلسفہ تعلیم میں ہر طالب علم کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ فن کے شروع میں فن کی تعریف موضوع غرض و غایت اور مصنف کتاب کی سوانح سے ضروری واقفیت حاصل کرے۔ باہرین تعلیم نے ان چیزوں کو طلب علم کے لیے اصول و مبادی قرار دیا ہے۔

اور کمالات انسانی کی دو قسمیں ہیں، کمال علمی اور کمال عملی۔

کمال علمی کو کمال علمی پر جو برتری حاصل ہے وہ کسی بیان کی محتاج نہیں ہے۔ پھر علم کی دو قسمیں ہیں، دینی علم اور دنیوی علم۔ اور فضیلت کا مدار چوتھو افادیت پر ہے، اور دنیوی علوم کی افادیت وقتی ہے اور دینی علوم کی افادیت ابدی ہے، اس لیے دینی علوم کے تفوق میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

اور علوم دینیہ میں علم فقہ کو جو اسمیت حاصل ہے اس سے ہر شخص بخوبی آشنا ہے، قرآن فہمی اور حدیث طلبی کا آغاز فقہ ہی سے ہوتا ہے اور یہی ان دونوں کا ثمرہ اور نتیجہ بھی ہے۔ اگر طالب علم علم فقہ میں کیا ہے تو وہ قرآن پاک اور احادیث شریفہ سمجھنے میں کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر احادیث اور قرآن کریم پڑھ لینے کے بعد علم فقہ تک اس کی رسائی نہ ہو تو یقین کرنا چاہیے کہ اس نے سب کچھ پڑھ لینے کے بعد جو لچھ نہیں پڑھا، وہ پوست ہی میں ٹمک کر رہ گیا ہے مگر تک اس کی رسائی نہیں ہوئی۔

آج کل طلباء میں جو علم فقہ سے عام بے توجہی، بد مذاقی اور بے رغبتی نظر آتی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اساتذہ شروع میں علم فقہ کی تعریف، موضوع، غرض و غایت، مقام و مرتبہ، ائمہ فن کے حالات اور معلومات نامہ پر سیر حاصل گفت گو نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم میں علم فقہ سے لگاؤ اور دلچسپی پیدا نہیں ہوتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس موضوع پر نہ تو عربی میں کوئی مستقل تصنیف ہے، نہ فارسی میں، نہ اردو میں، جس سے اساتذہ اور طلباء فائدہ نہ سکیں۔

اس لیے غرض سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ کوئی ایسی کتاب ہونی چاہئے جس میں علم فقہ کے مبادیات اور عمومی معلومات درج ہوں۔ مجھے بڑی خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ مکرّمی جناب مولانا مفتی اسماعیل صاحب کچھو لوہی زید مجدہم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور ”مبادیات فقہ“ کے نام سے ایک کامیاب رسالہ مرتب فرمایا، جو مدارس عربیہ کے اساتذہ کے لیے اور علم فقہ کے طلباء کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس رسالہ میں انہیں علم فقہ کے اصول و

مبادیات پر سیر حاصل بحث ملے گی اور علم فقہ کے سلسلے میں عمومی معلومات سے بھی ضروری واقفیت حاصل ہوگی۔

واقعہ یہ کام کسی مفتی ہی کے کرنے کا تھا کیونکہ فقیہات پر عینی نظر اس کی قیاس ہو سکتی ہے کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی اور مفتی صاحب ماشاء اللہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (گجرات) کی مسند افتاد کا فخر ہیں۔

احقر دعا گو ہے کہ اللہ پاک جل شانہ مفتی صاحب موصوف کی یہ خدمت قبول فرمائیں اور انہیں مزید ملی خدمات کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

دارالعلوم دیوبند ۲۵-۱۲-۹۶ھ

چیت چیت چیت

مقدمہ

بِسْمِ الرَّسُولِ الرَّسِيمِ

الحمد لله وحده ونصلی علی رسولہ الکریم
اما بعد - ہر فن شروع کرنے سے پہلے کچھ مباریات اور مقدمات جاننا
ضروری ہیں تاکہ فن میں بصیرت تامہ حاصل ہو سکے۔

مقدمہ (بفتح الدال) اور مقدمہ (بکسر الدال) دونوں طریقوں سے بولا
جاتا ہے۔ دستور العلماء (ص ۳۱۴) میں ہے ان المقدمات اما بکسر الدال او
بفتحها۔

مقدمہ ماخوذ ہے مقدمۃ الحبش سے۔ گذشتہ زمانہ میں جب روبرو لڑائی
ہوتی تھی تو لشکر کے پانچ حصے کیے جاتے تھے اور ان کو مقدمہ، قلب، میمنہ،
میسرہ، ساقر کہا جاتا تھا، لشکر کا امیر یا امیر المؤمنین اگر شریک جنگ ہوتا تو وہ
قلب میں رہتا تھا اور مقدمہ میں لشکر کے بہادر اور حیدرہ حضرات ہوتے تھے
جو آگے چل کر لشکر کے لیے تمام سہولتیں بھجھ پھیلاتے تھے اسی لیے جو معلومات
کسی کتاب یا فن کو شروع کرنے سے پہلے بھجھ پھیلائی جاتی ہیں ان کو بھی مقدمہ کہتے
ہیں تاکہ ان کے ذریعہ کتاب یا فن کو سمجھنے میں مدد ملے۔

اقسام مقدمہ :

اسی لیے مقدمہ کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب۔ علامہ شامی لفظ مقدمہ کی تحقیق کے بعد فرماتے ہیں :

وہی قسمان مقدمۃ العلم وہی (یعنی) مقدمہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مقدمۃ ما یتوقف علیہ الشرع فی مسائلہ العلم ان مخصوص فانی کو کہتے ہیں جن کا جانتا علم کو شروع کرنے سے پہلے ضروری ہوتا ہے اور (۲) مقدمۃ الکتاب ان باتوں کو کہتے ہیں جن کو کتاب میں مقصود سے پہلے اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ مقصود کتاب کو ان باتوں سے خاص (رد المختار ص ۲۵)

تعلق ہے اور ان کے ذریعہ کتاب سے نفع تام حاصل کر سکتے ہیں

مقدمۃ العلم :

یعنی وہ باتیں جن کا جاننا کسی علم کو شروع کرنے سے پہلے ضروری ہوتا ہے (وہی ما یتوقف علیہ الشرع فی مسائلہ) لیکن لولا کہ لامتنہ کے درجہ میں ضروری نہیں ہوتا بلکہ بصیرت تامہ حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے تاکہ یہ اعتراض نہ ہو کہ ہم نے مقدمات کے بغیر ہی علم حاصل کر لیا۔

علم :

علم کی تعریف مرتقات اور شرح تہذیب میں اس طرح کی ہے ہوا الصوۃ الحاصلۃ من الشیء عند العقل اھ یعنی شئی معلوم کی وہ صورت جو عقل

انسانی میں حاصل ہوتی ہے، اس کو علم کہتے ہیں

اقسام علم :

علم کی دو قسمیں ہیں۔ علم شرعی اور علم غیر شرعی

علم شرعی کی چار قسمیں ہیں۔ علم کلام، علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ۔

علم غیر شرعی کی تین قسمیں ہیں (۱) علم ادب (۲) علم ریاضی (۳) علم عقلی۔
علم ادب : بارہ علوم کے مجموعہ کا نام ہے جن کو علامہ شامیؒ نے شیخی زادہ کے

حوالہ سے شمار کیا ہے جو یہ ہیں :- لغت، اشتقاق، تصریف، نحو، معانی، بیان، بدیع، عروض، قوافی، قرص شعر، النثر، نشر، کتابت، بعضوں نے چورہ شمار کیے ہیں یعنی قراءت اور محاضرات (تاریخ) کا اضافہ کیا ہے۔

علم ریاضی :- دس علوم کو شامل ہے تصوف، ہندسہ، ہیئت، علم تعلیمی حساب، جبر، موسیقی، سیاست، اخلاق، تدبیر منزل۔

علم عقلی :- منطق، جدل، اصول فقہ، اصول دین، علم الہی، علم طبعی، علم طب، میقات، فلسفہ اور کیمیا وغیرہ کا شمار اس میں ہے (لکھنؤ رد المحتار ص ۲۵)

مقدمہ علم میں آٹھ چیزیں بیان کی جاتی ہیں اور یہی چیزیں مقدمہ کتاب پر بھی بیان کی جاتی ہیں تاکہ فن یا کتاب پر بصیرت تامہ حاصل ہو جائے وہ آٹھ چیزیں حسب ذیل ہیں :-

تعریف، موضوع، غرض و نغایت، اسما، مؤلف و واضح، استمداد، حکم، فضیلت۔ فن منطق کی اصطلاح میں ان کا نام رؤس ثمانیہ ہے، مرقات میں ہے
ان القدمات کا نوایذ کرون فی مبادی الکتاب اشياء ثمانية وليس معها

دو سائے ساتھ ۔ علامہ شامیؒ نے دس شمار کرائے ہیں وہ فرماتے ہیں :-
اعلم ان مبادی کل علم عشر نظمها ابن ذکری فی "تحصیل المقاصد فقہاء

فاول الالباب فی المبادی وتلك عشرة على المراد
المحد والموضوع ثم الواضع والاسم والاستمداد حكم الشارع
تصور المسائل، الفصيلة ونسبة فائدة جلیلة

فقہ کی لغوی تعریف :-

لغت کے اعتبار سے فقہ کا استعمال بکسر القاف فقہ اور بضم القاف فقہ دونوں طرح ہوتا ہے۔ فقہ (بکسر القاف) باب سمع سے ہے جس کے معنی جاننا ہیں اور فقہ (بضم القاف) باب کرم سے ہے اس کے معنی فقیہ ہو جانا ہیں۔ در مختار میں علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں فالفقہ لغتاً : العلم بالشیئی ثم خص بالعلم الشرعیة و فقہ بالكسر فقہا علم و فقہ بالضم فقہا صار فقیہاً۔ منحة الخالق علی البحر الرائق میں علامہ خیر الدین راملیؒ سے نقل کیا گیا ہے و یقال فقہ بکسر القاف اذا فهم و لفتحها اذا سبق غیرہ الی الفہم و بضمها اذا صار الفقہ سجیۃ لہ (ص ۱۱) یعنی فقہ بکسر القاف اس وقت پڑھتے ہیں جب کوئی بات سمجھ لے اور فقہ بفتح القاف اس وقت استعمال کرتے ہیں جب کوئی شخص بات سمجھنے میں کسی دوسرے سے سبقت کر جائے اور فقہ بضم القاف اس وقت استعمال کرتے ہیں جب فقہ اس کی طبیعت بن جائے علامہ رشید رضا مصریؒ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں ذکر هذا اللفظ فی عشرين موضعاً من القرآن تسعة عشر منها تدل علی ان المراد

به نوع خاص من دقة الفهم والتعمق في العلم الذي يترتب عليه الانتفاع به اهـ۔ یعنی قرآن پاک میں یہ مادہ ہیں جس کا استعمال ہوا ہے جس میں سے انیس جگہ اس کا مدلول ایک مخصوص قسم کی دقت فہم اور علمی گہرائی ہے جس پر فائدہ مرتب ہو۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح شرع میں اس کی تعریف مختلف طریقوں سے کی گئی ہے جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ فقہ کا اطلاق پہلے عام تھا پھر یہ لفظ ایک مخصوص فن کے ساتھ خاص ہو گیا۔

صاحب مفتاح السعادة نے اس کی تعریف
فقہ کی پہلی تعریف | اس طرح کی ہے ہو علم باحث عن

الاحکام الشرعية الفرعية العملية من حيث استنباطها من الأدلة التفصيلية اهـ ص ۶۲۔ یعنی علم فقہ وہ علم ہے جو احکام شرعیہ فرعیہ سے اس حیثیت سے سمجھ کر کے کہ اس کا استنباط تفصیلی دلائل سے کیا گیا ہے لیکن یہ تعریف اصول فقہ کی تو موزوں ہے مگر فقہ کی موزوں نہیں ہے۔ نیز اس تعریف کے اعتبار سے صرف مجتہد پر فقیہ کا اطلاق ہو سکے گا حافظ للفروع کو فقیہ کہنا صحیح نہ ہوگا۔ البتہ مجازاً اس کو فقیہ کہہ سکیں گے۔

شیخ ابن ہمام نے فقہ کی تعریف اس طرح کی ہے
دوسری تعریف | کہ هو التصديق بالاحكام الشرعية القطعية

تحریر ابن ہمام ص ۱، اس تعریف میں ابن ہمام نے لفظ تصدیق کا اضافہ کر دیا ہے

علامہ ابن نجیم مہری نے اسی وجہ سے اس تعریف کو پہلی تعریف سے اچھا کہا ہے
 وہ فرماتے ہیں کہ فالاولیٰ ما فی التحریر من التصدیق الشامل
 للعلم والظن اھ (ص ۳۱ ج ۱ رد المحتار)۔ اور ابن ہمام نے یہ لفظ اس لیے کیا
 ہے کہ فقہ کو جو لوگ ظنی کہتے ہیں ان پر رد ہو جائے اس لیے کہ فقہ قطعی ہے۔
 یہ ایک طویل بحث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ فقہ کا ماخذ کتاب،
 سنت اور اجماع ہے اس لیے قطعی الثبوت ہے لیکن چونکہ اس کا اکثر حصہ ظنی
 الدلائل ہے اس وجہ سے اس میں قیاس کے لیے گنجائش ہے اور اسی بناء پر کسی مجتہد
 کے مسلک کو بالکلیہ غلط نہیں کہہ سکتے اور کسی ایک مسلک پر عمل کرنا نہ صرف درست ہے بلکہ
 ضروری ہے۔ درختار میں لکھا ہے اذا سئلنا عن مذهبنا وعن مذهب
 مخالفنا قلنا وجوباً مذهبنا صواب یحتمل الخطاء ومذهب مخالفنا
 خطأ یحتمل الصواب واذا سئلنا عن معتقدنا ومعتقد خصومنا قلنا
 وجوباً الحق ما نحن علیہ والباطل ما علیہ خصوصاً اھ (ص ۳۲) یعنی اگر
 کوئی ہم سے پوچھے کہ تمہارا (فقہی) مسلک ٹھیک ہے یا تمہارے مخالفین (شوافع)
 مالکیہ اور حنابلہ وغیرہم کا؟ تو ہم جواب دیں گے کہ ہمارا مسلک صحیح ہے مگر اس میں خطا
 کا احتمال ہے اور ہمارے مخالفین کا مسلک خطا ہے مگر اس میں درستی کا احتمال ہے
 (لان المجتہد یخطئ ویصیب) اور اگر ہمارے اعتقادات کے متعلق پوچھا
 جائے کہ تم حق پر ہو یا تمہارے مخالفین (معتزلہ، خوارج وغیرہ) کے اعتقادات حق
 ہیں؟ تو ہم پورے یقین کے ساتھ کہیں گے کہ ہمارے اعتقادات حق ہیں اور
 ہمارے مخالفین کے اعتقادات باطل ہیں اس لیے کہ ان کا ثبوت نصوص قطعی

الدلائل سے ہونے کی وجہ سے اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔

تیسری تعریف ”ارشاد القاصدین“ میں اس طرح تعریف کی ہے

کہ تکالیف شرعیہ علیہ کے جاننے کا نام علم فقہ ہے جیسے عبادات، معاملات، عادات وغیرہ۔

چوتھی تعریف امام سیوطیؒ نے ”اتمام الدرایہ“ اور ”نقایہ“ میں اس

طرح تعریف کی ہے کہ علم فقہ ان احکام شرعیہ کا پہچاننا ہے جو اجتہاد سے نکالے گئے ہوں (مفید المفتی ص ۵)

پانچویں تعریف امام اعظم ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تعریف اس طرح نقل کی گئی ہے کہ: ”معرفة النفس ما لها وما عليها“

ر آدمی کا اپنے لیے مفید اور مضر چیزوں کو جان لینا، لیکن یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے۔ بحر الرائق ص ۱۱ میں ہے کہ:

غرض الامام الاعظم بائنہ معروفہ النفس ما لها وما عليها لکنہ

لیکن یہ تعریف اعتقادات جیسے کہ وجوب

ایمان اور وجدانیات یعنی اخلاق بالحدہ اور

ملکات نفسانیہ اور عملیات جیسے کہ نماز

روزہ اور خرید و فروخت وغیرہ کو شامل ہے

پس جو چیزیں آدمی کے لیے از قبیل اعتقادات

جاننا ضروری ہیں ان کا نام تو علم کلام ہے اور جو چیزیں از قبیل وجدانیات آدمی کے لیے جاننا ضروری ہیں ان کا نام علم اخلاقیات و علم

ایمان والوجدانیات ای

الاخلاق الباطنہ والملاکات

النفسانیۃ والعملیات كالصلوة

والصوم والبیع فمعرفۃ ما لها

وما علیہا من الاعتقادات علم

تصوف ہے جیسے زہد، صبر، رضا، نماز
 میں حضور قلب وغیرہ، اور جو چیزیں آدمی
 کے لیے اعمال کے قبیل سے جاننا ضروری
 ہیں ان کا اصطلاحی نام علم فقہ ہے، پس
 اگر فقہ سے آپ کی مراد اصطلاحی فقہ فقہ
 ہے تو ”مالہاد ما علیہا“ پر عمل کی نید
 بڑھا دیجئے اور اگر الیاء علم مراد لینا چاہتے
 ہوں جو تینوں اقسام کو شامل ہو تو نہ نوره
 قید کے اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔
 امام غنظم نے اس قید کا اضافہ اس لیے
 نہیں فرمایا کہ انہوں نے سب کی شمولیت
 کا ارادہ فرمایا ہے اپنی انہوں نے سلطان علم
 مراد لیا ہے خواہ اعتقادات ہوں یا وجدانیات
 یا عملیات اور اسی لیے آپ نے علم کلام
 کا نام فقہ اکبر رکھا ہے۔

صوفیاء کے نزدیک فقیہ کی تعریف جیسا کہ حسن بصری سے
 منقول ہے یہ ہے:-

یعنی فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت
 ہو، آخرت کی طرف رغبت کرنے والا ہو

الكلام ومعرفة مالها وما عليها
 من الوجدانيات هي علم الاخلاق
 والتصوف كالزهد والصبر والرضا
 وحضور القلب في الصلوة ونحو
 ذلك ومعرفة مالها وما عليها
 من العمليات هي الفقه المصطلح
 فان اردت بالفقه هذا المصطلح
 زدت عملا على قوله مالها وما
 عليها وان اردت علم ما يشتمل على
 الاقسام الثلاثة لم تزد واذا
 حقيقته انما لم يزد لا من اراد
 الشمول اي اطلق العلم سرادكا
 من الاعتقاديات او الوجدانيات
 او العمليات ومن ثم سمي الكلام
 فقه البراء

چھی تعریف

انما الفقيه الزاها في الدنيا
 الراغب في الاخرة، البصير بدنيہ

المدام علی عبارتہ ربہ الورع
 الکاف نفسہ عن اعراض المسلمین
 العفیف عن اموالہم، الناصح
 لجماعتہم اح ايجاد العلوم ۲۶
 دین سے باخبر ہو، پروردگار کی عبادت
 پابندی سے کرتا ہو، پرہیزگار ہو، مسلمانوں
 کی ابروریزی سے بچتا ہو، ان کے
 مالوں سے کنارہ کش ہو اور ان کا خیر
 خواہ ہو۔

ساتویں تعریف امام غزالیؒ نے فقہ کی تعریف یہ کی ہے کہ :-

معرفة الفروع والوقوف علی
 دقائق علمها ام (تختصر احوال
 العلوم ۲۸)
 یعنی فروعات کو جاننا اور ان کی دقیق
 غلطیوں سے واقف ہونا۔

موضوع :-

کسی ٹیم میں جس چیز کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جائے اس کو موضوع کہتے
 ہیں (ما یبحث فیہ عن عوارض الذاتیۃ) اور اس کو جاننے کی ضرورت اس
 لیے ہے کہ بحث میں خلط نہ ہو جائے۔

فقہ کا موضوع مکلف کا فعل ہے ثبوتاً و سلباً یعنی عاقل بالغ کا فعل باعتبار
 ثبوت و سلب کے، یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ فقہ کا موضوع جب مکلف کا
 فعل ٹھہرا تو غیر مکلف کا فعل موضوع نہیں ہوگا حالانکہ فقہ میں نابالغ بچہ کے احکام سے
 بھی بحث ہوتی ہے۔ مثلاً دس سال کی عمر میں نماز کا لازم ہونا، بچہ کوئی جنایت کیسے
 تو ضمان کا حکم وغیرہ۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بچے کو جو نماز کا حکم دیا جاتا ہے وہ عادت ڈالنے کے لیے دیا جاتا ہے تاکہ وہ بالغ ہو کر نماز ترک نہ کرے اس کو نماز کا حکم اس وجہ سے نہیں دیا جاتا کہ وہ مکلف ہے اور جنابت کا تاوان لڑکے پر نہیں ہے بلکہ لڑکے کے ولی پر ہے جیسے کوئی جانور کسی کا کچھ نقصان کرے تو اس کا تاوان مالک سے وصول کیا جاتا ہے۔ غرض غیر مکلف کا فعل نلم فقہ کا موضوع نہیں ہے کمافی رد المحتار^{۲۸} غرض و غایت :-

جس مقصد کے پیش نظر کوئی کام کیا جائے تو اس کو غرض کہتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کو غایت کہتے ہیں۔ ”دستور العلماء جلد ثالث میں ہے :-

اعلم ان ما یترتب علیہ فعل ان کا
تصورہ بانما للفاعل علی صدورہ
عنہ لیسعی غرضاً وعلتہ ام
یعنی جانتا جا بیٹے کہ وہ چیز جس پر کوئی
فعل مرتب ہو اگر اس چیز کا تصور فعل پر
فاعل کے اقدام کا سبب ہو تو اس کو
غرض و علت کہتے ہیں۔

مثلاً جامع مسجد پنچنے کے ارادہ سے کوئی چلے تو یہ جامع مسجد پنچنا غرض ہے اور جامع مسجد پنچ جانا غایت ہے۔ اسی تھوڑے سے فرق کی وجہ سے مناطق کے یہاں غرض اور غایت دو مستقل چیزیں ہیں، مگر حقیقت اور مصداق کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں۔

فقہ کی غرض و غایت ”الغرض بسعادة الدارين“ یعنی دونوں جہاں کی سعادت سے کامیاب ہونا ہے یعنی خود بھی دنیا میں جہالت کی اندھیر لویں سے نکل کر علم کی روشنی میں پنچا، ترقی کرنا، خود بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پاننا اور عمل کرنا

اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دے کر آخرت میں اعلیٰ درجات حاصل کرنا۔ کما فی رد المحتار ص ۲۱ -

استمداد :-

یعنی علم فقہ کا ماخذ کیا ہے؟ اس میں کس سے مدد لی گئی ہے؟ تو جاننا چاہیے کہ جو چیزیں اصول فقہ کی ماخذ ہیں یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع اور قیاس۔ وہی چیزیں فقہ کی ماخذ ہیں۔ اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ فقہ کے اس کے علاوہ بھی چند ماخذ ہیں مثلاً شراعت ما قبلنا سے بھی فقہ میں استمداد ہوتا ہے اور تعامل الناس، اقوال صحابہ اور تحریری سے بھی مسائل کا ثبوت ہوتا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ میں شامل ہیں یا حدیث پاک میں، اور اقوال صحابہ حدیث میں داخل ہیں اور تعامل الناس اجماع میں داخل ہے اور تحریری و تصنیب حال قیاس میں داخل ہے کما فی البحر الرائق ص ۱۱۱ واما استمداد من اصول الاربعۃ الكتاب والسنة والاجماع والقياس المستنبط من هذه الثلاثة واما شریعۃ من قبلنا فتابعۃ للكتاب واما اقوال الصحابة فتابعۃ للسنة واما تعامل الناس فتابع للاجماع واما التحریری استنبط من الحال فتابعان للقياس اھ -

حکم :-

دین پر عمل کرنے کے لیے جن مسائل کا جانتا ضروری ہے ان کا سیکھنا اور حاصل کرنا فرض عین ہے مثلاً بالغ ہوتے ہی طہارت اور نماز کو صحیح پڑھنے کے

کے مسائل اسی طرح مالدار ہوتے ہی زکوٰۃ و حج کے ضروری مسائل سیکھنا فرض عین ہے اور باقی فقہائے جرنیات اور فروعات کا جانتا اور اس میں مہارت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے بقدر ضرورت قرآن مجید حفظ کیا اور وقت ملا تو اس کو مسائل فقہ سیکھنا افضل ہے، کیونکہ حفاظت بہت فقیہ کے زیادہ ملتے ہیں اور عبادت و معاملات میں مسائل کی ضرورت زیادہ رہتی ہے تعلم باقی الفقہ افضل من تعلم باقی القرآن لکثرة حاجۃ العامة الیہ فی عباداتہم و معاملاتہم و قلۃ الفقہاء بالنسبۃ الی المحفظۃ (شامی ص ۱۱۱ ج ۱)

فضیلت :-

قرآن پاک میں خداوند قدوس کا ارشاد ہے :- ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا بہت سے مفسرین نے حکمت سے مراد فقہ لیا ہے پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جس کو علم فقہ دیا گیا اس کو خیر کثیر دی گئی، نیز مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

من معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یرو اللہ بہ خیر ایقصر فی الدین ۳۲۔
یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو فقہ فی الدین عطا فرماتے ہیں۔

یعنی دین کی ٹھیک سمجھ عطا فرماتے ہیں چاہے تو وہ ظاہر شریعت سے متعلق ہو یا طریقت سے متعلق ہو۔

عن ابن عباس فقیر واحد اشد علی الشیطان من الف یعنی ایک فقیر شیطان پر ہزار نابالغ سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عابد کو خود اپنے زہد و ورغ اور عبارت سے پہنچنا
مگر دوسرے لوگوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، اور فقیہ حلال و حرام اور دیگر
مسائل کی تعلیم دے کر لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے اس لیے شیطان پر ایک فقیہ ہزار
عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے، نیز عابد کو تو شیطان اکثر گمراہ بھی کر دیتا ہے
مگر فقیہ مسائل جاننے کی وجہ سے اکثر اوقات گمراہی سے بچ جاتا ہے جیسا کہ اخبار
الاخبار اردو ص ۲۳ پر شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ منقول ہے کہ
شیخ ضیاء الدین ابو نصر موسیٰؒ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت غوث
الاعظمؒ کی زبانی خود سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے ایک سفر کے دوران میں اس
جنگل میں پہنچا جہاں پانی نہ تھا میں نے کئی دن وہاں قیام کیا لیکن پانی نہ ملا مجھ
پیاس کی شدت ہوئی تو اللہ نے بادل کا ٹکڑا بھیجا جس نے میرے اوپر سایہ کر لیا پھر
اس میں سے چند بوندیں ٹپکیں جنہیں پی کر تسکین ہوئی اس کے بعد ایک روشنی پیدا ہوئی
جس نے پورے آسمان کو گھیر لیا، پھر اس میں سے ایک عجیب صورت نظر آئی اور
اس نے کہا :-

”اے عبد القادر میں تیرا پر درگاہ ہوں جو کچھ میں نے دوسروں پر صرا
کیا ہے وہ تیرے لیے حلال کرتا ہوں تو جو چاہے مانگا اور جو ہے کر
یہ سن کر میں نے اعمو ذبا للہ من الشیطان الرجیمؑ پڑھ کر کہا، بھال
جا ملعون کیا بک رہا ہے؟ اس کے بعد فوراً ہی وہ روشنی اندھیرے میں بدل
گئی اور وہ صورت دھواں بن کر کہنے لگی اے عبد القادر تم پر درگاہ لے احکام جانے

کی وجہ سے اور حالات و منازل کی واقفیت کے سبب مجھ سے پچ گئے، میں نے اس ترکیب کے ذریعہ شراب و لہو لہو کو راستہ سے ایسا ٹھکرایا کہ وہ کہیں کے نہ رہے۔ بتائیے یہ کونسا علم و ہدایت ہے جو اللہ نے آپ کو عنایت کیا ہے؟ میں نے جواب دیا اللہ کا فضل و کرم ہے اور وہی ابتداء و انتہاء میں رہ رہی کرتا ہے، ام۔

ایک اور حدیث میں ہے

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
و سلم خصلتان لا یجتمعان فی
منافق حسن سمت ولا فقه
فی الدین رواہ الترمذی۔
فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو
خصلتیں ایسی ہیں جو منافق میں جمع نہیں
ہو سکتیں ایک تو خوش اخلاقی و دوسری
فقہ فی الدین۔

الحاصل تفقہ بہت ہی قابل قدر اور قیمتی چیز ہے، نیز بخاری شریف میں
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ :-
تفقہوا قبل ان تسودوا۔
یعنی سردار ہونے سے پہلے فقہ کیجیو۔

ایک حدیث ہے

مجلس فقہ خبی من عبادۃ ستین
سنت۔
یعنی فقہ کی مجلس میں شرکت ساٹھ برس
کی عبادت سے بہتر ہے۔

تنبیہ :-

قرآن پاک یا حدیث پاک میں جہاں فقہ کی فضیلت آئی ہے وہاں ایک بات
ملاحظہ رکھنی چاہیے وہ یہ کہ زمانہ نبوت میں جہاں فقہ کا اطلاق ہوتا تھا وہاں اس سے

مراد موجودہ فقہ اصطلاحی نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کا اطلاق عمومی تھا۔ ظاہر شریعت طریقت، معرفت وغیرہ سب کو شامل ہوتا تھا۔ امام اعظمؒ سے اس لیے فقہ کی تعریف ”معرفة النفس مآلہا وما علیہا“ نقل کی گئی ہے امام غزالیؒ ایضاً العلوم میں رتبط از ہیں۔

لفظ الفقہ قد تصرفوا فیہ بالتخصیص یعنی لفظ فقہ میں نقل و تحویل کے ذریعے نہیں بلکہ تخصیص کے ذریعے تصرف کیا گیا ہے اس لیے کہ فتاویٰ کی مادر فروغات کے جاننے اور اس کی دقیق علل سے واقفیت حاصل کرنے اور اس میں بکثرت کلام کرنے اور اس سے متعلق اقوال کو حفظ کرنے کے ساتھ اس کو مخصوص کر دیا پس جو شخص اس پر زیادہ مہر اور زیادہ مشغول ہو اس کو ”افقہ“ کا خطاب دے دیا حالانکہ لفظ فقہ عصرِ ادل میں راہِ آخرت اور آفات نفوس کے دقاتق جاننے اور آخرت کی نعمتوں کو خوب دیکھنے اور قلب پر خوف کو غالب کرنے پر بولا جاتا تھا، اس پر دلیل آیت قرآنی

لا بالنقل والتحویل اذ خصصوا بمعرفة النفس ودع الغریبۃ فی الفتاوی والوقوف علی دقاتق عللہا واستکثار الکلام فیہا وحفظ المقالات المتعلقة بہا فمن کان اشد تعمقا فیہا واكثر اشتغالا بہا ینال الا فقہ ولقد کان اسم الفقہ فی العصور الاول مطلقا علی علم طریق الاخرۃ و معرفۃ دقاتق آفات النفوس ومفسدات الاعمال وقوة الاحاطة بحقائق الدنیا وشدۃ التطلع الی نعم الاخرۃ واستیلاء الخوف علی القلب ویدلک علیہ

قوله عز وجل "ليتفقوا في الدين وليندروا
 الدين وليندروا قومهم
 اذا رجعوا اليهم" وما يحمل
 بهم الا نذار هو هذا الفقه
 دون تفصيلات الطلاق
 واللعان والسلم والاجابة اهـ
 "ليتفقوا في الدين وليندروا
 قومهم اذا رجعوا اليهم"
 ہے کہ جو فقہ انذار و تخولیف کا ذریعہ
 بننا ہے وہ یہی فقہ ہے نہ کہ طلاق و
 عتاق و لعان و سلم و اجارہ کے فروعی
 مسائل، اہ۔

امام غزالیؒ آگے فرماتے ہیں کہ صرف انہی فروعیات میں الجھ کر رہ جانا اپنے
 دل کو سخت اور خشیت کو رخصت کر دینا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے "مرقات شرح
 مشکوٰۃ" میں بھی اس طعن اشارہ فرمایا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں۔ قوله بفقہ
 فی الدین ای احکام الشرعیۃ والطریقۃ والحقیقۃ ولا يختص
 بالفقہ المصطلح المختص بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ کما ظن اہـ^{۲۱۶}
 اس لیے قرآن و حدیث میں جہاں اس کی نصیحت آئی ہے اس کو عام سمجھنا چاہیے
 اور اپنے اندر دونوں (علم ظاہر شرعی و علم باطن یعنی تصوف و سلوک) کو جمع کرنے کی صورتیں پیدا کرنی چاہئیں۔ باقی لفظ فقہ کی تعمیم سے علم
 حفظ فردغ خارج نہیں ہے، کیونکہ جو فضائل علم فقہ بالمعنی الاکم کے ہیں وہی فضائل
 علم فقہ بالمعنی الاخص کو بھی شامل ہیں۔

اب موجودہ اصطلاحی علم فقہ کی ففیلت کے سلسلہ میں علمائے ربانی کیا فرماتے
 ہیں اسے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ در مختار میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ:-
 النظر فی کتب اصحابنا من غیر
 یعنی ہمارے اصحاب (خفیہ) کی کتابوں

سماع افضل من قیام اللیل۔
کا مطالعہ کرنا بغیر (کسی اتاذ سے)
سننے کے رات کو نوافل پڑھنے سے
ص ۲۴۔

افضل ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تہجد پڑھنا افضل ہے اور فقہ حاصل کرنا اگر بقدر ضرورت
ہو تو فرض عین ہے اور فقہ میں مہارت حاصل کرنا ہو تو فرض کفایہ ہے اور نوافل
میں مشغول ہونے سے فرض میں مشغول ہونا بلاشبہ افضل ہے۔ اسی وجہ سے تلامذہ
شامیؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص دن کو مطالعہ کرتا ہے اور رات کو تہجد پڑھتا ہے
اس کے لیے دن اور رات دونوں میں افضل علم حاصل کرنا ہے۔

قال اسماعیل بن ابی رجاء رأیت
حضرت امام محمدؒ کے انتقال کے بعد
محمد بن اسماعیل بن ابی رجاء نے ان کو خواب
محمداً فی المنام فقلت ما فضل
اسماعیل بن ابی رجاء نے ان کو خواب
اللہ بک فقال غفولی ثم قال لو
میں دیکھا اور دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ
اردت ان اعذبک ما جعلت
نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ آپ
هذا العلم فیک فقلت لراہن
نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت
ابو یوسف قال فوذا بید رحمتین
فرمادی پھر ارشاد فرمایا کہ اگر میرا ارادہ
قلت فابو حنیفہ قال ہیہات
تجھے عذاب دینے کا ہوتا تو یہ علم رفیق
ذالک فی اعلیٰ عدین ام ۲۵
تیرے سینے میں نہ رکھتا رفیقہ کی فضیلت

کے لیے یہی کافی ہے کہ آدمی اس کی برکت سے جہنم سے بچ جائے یہی سب سے
بڑی کامیابی اور سعادت ہے، پھر اسماعیل بن ابی رجاء نے پوچھا کہ امام ابو یوسف
کہاں ہیں؟ امام محمدؒ نے جواب دیا کہ ہم سے دو درجہ اوپر ہیں پھر انہوں نے پوچھا

کہ امام ابو حنیفہؒ کہاں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ارے ان کا کیا پوچھنا! وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔

علم فقہ کی فضیلت میں امام محمدؒ کا یہ قول بھی قابل توجہ ہے، آپ فرماتے ہیں کہ لا یدفعی للرجل ان یعرف بالشعر والخلوان اخرا مرہ الی المسئلۃ وتعلیم الصبیان ولا بالحساب لأن اخرا مرہ الی مساحت الارضین ولا بالتفسیر لان اخرا مرہ الی التذکیر والقصص بل یکون علمہ فی الحلال والحرام ومالا بد منه من الاحکام کما قیل :-

اذا ما اعتزذو سلم بعلم فعلم الفقہ ارلی باعتراف
فکم طیب یفوح ولا کمسک وکم طیر یطی ولا کبار

(در مختار علی ہامش الشامی ص ۲۸ ج ۱)

یعنی آدمی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ شعر گوئی اور نحو میں مہارت حاصل کرے کیونکہ شاعر انجام کار (لوگوں کی مدح سرائی یا برائی کر کے) بھیک مانگے گا اور نحو کا ماہر انجام کار تعلیم صبیان میں مشغول ہوگا، اور چاہیے کہ حساب دان بھی بنے کیونکہ وہ انجام کار زمین کی پیمائش کرتا پھرے گا اور چاہیے کہ ماہر تفسیر بھی نہ ہو اس لیے کہ وہ انجام کار قصہ گوئی اور وعظ گوئی میں مصروف رہے گا بلکہ اس کو چاہیے کہ علم فقہ میں مہارت حاصل کرے (اس لیے کہ لوگ کبھی اس سے مستفید نہیں ہو سکتے، جیسا کہ کسی نے خوب کہا کہ :

”جب ذی علم اپنے علم سے اعزاز حاصل کرتا ہے تو علم فقہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ بہت سی خوشبوئیں مکتبی ہیں لیکن مشک

کی طرح نہیں ہو سکتیں اور بے شمار پرندے اڑتے ہیں مگر باز کو نہیں پہنچ سکتے۔“

نیز علم حدیث و علم تفسیر کے جو فضائل ہیں وہ بھی فقہ پڑھنے والے کو حاصل ہو جاتے ہیں اس لیے کہ فقہ درحقیقت درایت حدیث کا نام ہے، فقہ کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث ہی کا عطر ہے اس کی مثال ایسی سمجھیے جیسے دودھ مکھن اور گھی۔ حدیث کو دودھ سمجھیے اس سے مکھن اور گھی بنتا ہے اسی طرح اصل قرآن و حدیث ہے اور فقہ اس کا گھی ہے جس کے بغیر انسان اپنی زندگی نہیں گزار سکتا، درمختار میں ہے کہ

ان الفقہ ہو ثموتہ الحدیث و
لیس ثواب الفقیر اقل من
ثواب المحدث ام۔

یعنی فقہ حدیث کا خلاصہ ہے اور فقہ کا اجر حدیث سے کم نہیں ہے۔

اسماء :-

یعنی اس فن کو دوسرے کن کن ناموں سے یاد کیا جاتا ہے تو چونکہ اس میں حلال و حرام، مکہ و مکہ جائزہ وغیرہ احکام ہیں اس لیے اس کو علم الحلال و الحرام بھی کہا جاتا ہے، نیز اس کو علم فقہ، علم فتاویٰ، علم الاحکام اور علم آخرت بھی کہتے ہیں۔
واضح :-

سراج الامت، امام الامم، امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس فن کے واضع ہیں چنانچہ امام شافعیؒ کا قول ہے:

الناس عیال ابی حنیفہ فی الفقہ۔ لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کی اولاد ہیں۔

لیکن ترتیب فقہ کا سلسلہ اس طرح ہے۔

الفقر زرعہ ابن مسعودؓ و	یعنی علم فقہ کی تخم ریزی حضرت عبد
سقاہ علقمہ و حصدہ ابراہیمؓ	اللہ ابن مسعودؓ نے کی، اس کی بیاری
النخعی و داسر حماد و طحندہ	حضرت علقمہؓ نے لی، ابراہیم نخعیؓ نے
ابو حنیفہ و عجنہ ابو یوسف و	اس کو کاٹا اور حمادؓ نے گاہا، اور
خیرہ محمد فساثر الناس	اور امام ابو حنیفہؓ نے اس کو پیسا،
یا کلون من خیرہ اھ۔	اور امام ابو یوسفؓ نے اس کو گونڈھا
(در مختار ص ۲۴)	اور امام محمدؓ نے اس کی روٹیاں پکائیں
	اب تمام لوگ ان کی پکائی ہوئی روٹیاں
	کھا رہے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

علامہ ابن قیمؒ نے ”اعلام الموقعین“ میں افتاد کے سلسلے میں ایک فصل قائم کی ہے جس میں بتلایا ہے کہ صحابہ میں مسند افتاد پر کون کون حضرات فائز رہے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ چھ صحابہؓ ایسے تھے کہ جن میں تمام صحابہ کا تفقہ جمع تھا، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، ان میں آپس فہم و عقل و روایت کے اعتبار سے فرق تھا، حضرت عمرؓ اور خلافت میں مشغول و منہمک ہونے کی وجہ سے نشر علم کی طرف توجہ نہ ہو سکے۔ اس لیے ان کا علم محفوظ

نہ ہو سکا، حضرت علی رضی کا علم محفوظ تو ہو گیا مگر ردِ افض نے اس میں خلل کر دیا
اس لیے تباہیہ قابلِ اتنا نہ رہا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اپنی فطری صلاحیت
ذکاوت اور گونا گواں مناقب کی وجہ سے اور علم کی طرف پوری طرح توجہ ہونے
کی وجہ سے ایک خاص مقام کے مالک ہو گئے۔

اشاعت و ظہورِ اسلام سے قبل ۴۳۷ حضرات کا نام عبد اللہ تھا اور سب
کے سب شرفِ اسلام ہو کر صحبتِ نبویؐ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے جن
میں سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ
بن زبیرؓ، عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ رضی اللہ عنہم کو خصوصی شہرت حاصل ہوئی۔
(امامة فی تمییز الصحابة)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ چھٹے نمبر پر اسلام لائے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں کثرت سے آمد و رفت رکھتے تھے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ
جیسے صحابی ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سمجھے لگے تھے، آپ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خدام میں شمار ہوتے تھے۔ صاحبِ سادہ،
صاحبِ مسواک، صاحبِ نعلین وغیرہ آپ کا لقب ہو گیا تھا، آپ نے حبشہ کی ہجرت
بھی کی، اور غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت بھی حاصل ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم سے سیرت و صورت میں مشابہ تھے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ
ایک ”جھولا“ ہے جو علم سے بھر دیا گیا ہے۔ نیز فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے
کہ جس پر ابن مسعودؓ راضی ہیں اس پر میں راضی ہوں۔
حضرت عمرؓ نے اشاعتِ علم کے سلسلہ میں آپ کو کوفہ روانہ کیا اور دہاں والا

کو لکھا کہ ابن مسعودؓ کے علم کا میں زیادہ محتاج تھا مگر میں تم کو ترجیح دے کر تمہارے پاس ان کو روانہ کرتا ہوں، وہ اپنے ساتھ ڈیڑھ ہزار شاگردوں کو لے کر کوفہ تشریف لے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا قاضی بھی بنادیا، حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں مدینہ تشریف لائے اور ۳۲ھ میں ساٹھ سال کی عمر میں اس دار فانی سے دارِ آخرت کی طرف رحلت فرمائی اور خبتہ البقیع میں دفن ہوئے۔

عن مسروق انه قال انتهى
علم الصحابة الى ستة عمود على
والجوزيد والجلال والداد وابن
مسعود ثم علم الستة الى علي و
عبد الله بن مسعود .

مسروق کا قول ہے کہ صحابہ کا علم چھ
آدمیوں میں سمٹ آیا یعنی عمرؓ اور علیؓ
اور ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ اور
ابو الدرداءؓ اور ابن مسعودؓ پھر ان
چھ کا علم حضرت علیؓ اور عبد اللہ بن
مسعودؓ میں سمٹ آیا رضی اللہ تعالیٰ

عنہم اجمعین)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں میں دو شاگرد بلند پایہ تھے ایک
اسودؓ اور دوسرے علقمہؓ، اسودؓ کے متعلق لکھا ہے کہ اُشبہ یعنی عبد اللہ بن
مسعودؓ کے ساتھ کامل مشابہ تھے ۸۴ھ میں وفات ہوئی، اور علقمہ بن قیس
بن عبد اللہ بن مالک نخعیؓ بڑے جلیل القدر فقیہ، اسود بن زید کے چچا اور ابراہیم
نخعی کے ماموں تھے جنہوں نے کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے،
قرآن و علم ابن مسعودؓ، علیؓ، عمرؓ، ابو الدرداءؓ، اور عائشہؓ سے حاصل کیا۔
علقمہ کے شاگردوں میں ابراہیم بن زید بن قیس بن اسودؓ نخعیؓ ہیں ۹۵ھ یا

۹۶ء میں وفات پائی۔

ابراہیم نخعیؒ کے شاگردوں میں حماد بن مسلم کوئی نہیں آپ امام ابو حنیفہؒ کے
استاذ ہیں آپ کی وفات ۱۲۰ء میں ہوئی ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب
بھی میں نے نماز پڑھی اور اپنے والدین کے لیے دعائے مغفرت کی تو ساتھ میں
میں نے حمادؒ کو ضرور یاد کیا۔

سراج الامت، امام الائمہ، امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ

امام صاحبؒ کے متعلق مؤرخین کا اختلاف ہے کہ آپ عربی النسل یا عجمی نژاد
ہیں، جو لوگ کہا کہ عربی النسل قرار دیتے ہیں وہ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح بیان
کرتے ہیں، نعمان بن ثابت بن زوطی بن یحییٰ بن زید بن اسد بن راشد الانصاری
لیکن صحیح قول یہ ہے کہ آپ عجمی نژاد اور فارسی النسل ہیں اور سلسلہ نسب اس طرح
ہے۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ۔ امام صاحبؒ کے پوتے سلسلہ نسب اس
طرح بیان کرتے ہیں۔ نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان۔ ان دونوں قولوں
کو جمع کرنا آسان ہے وہ اس طرح کہ زوطی زمانہ ہماہیت کا نام ہے اور نعمان سلام
لانے کے بعد کا نام ہے اسی طرح ماہ اور مرزبان دونوں کے معنی سردار کے ہیں۔
امام صاحبؒ کے والد ثماہت کی ولادت حبیب کو فیہ میں ہوئی تو ان کو ان کے
والد زوطی حضرت امامؒ کی خدمت میں لے گئے اور برکت کی دعا چاہی، آپؒ نے ان
کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا کی، اللہ جل شانہ نے دعا کو قبول
فرمایا اور اس دعا کی برکت سے ثماہت کی ذریت میں امام صاحبؒ کی پیدائش ہوئی۔

عبدالملک بن مروان کے درخلافیت میں کوفہ میں شہید ہیں امام صاحب کی پیدائش ہوئی، آپ کا اسم گرامی نعمان رکھا گیا۔ آپ کے سن پیدائش کے متعلق ایک قول ۱۱۵ھ کا بھی ہے۔ لیکن پہلا ہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی وفات بغداد میں ۱۵۸ھ میں ہوئی (مقدمہ اوجز السالک)

امام صاحب بچپن ہی سے ذہین، فہیم اور سلیم الطبع تھے، شروع میں آپ نے تجارت شروع کی، پھر اس کو چھوڑ کر طلب علم کی طرف متوجہ ہوئے، اس زمانہ میں چونکہ علم کلام کا بہت چرچا تھا اس لیے آپ نے علم کلام میں مہارت حاصل کی۔ اور فقہ اکبر نامی کتاب تصنیف فرمائی۔ اس کے بعد فقہ کی طرف متوجہ ہوئے تقریباً دس سال حضرت حماد کے درس میں شریک رہے، اس وقت حضرت حماد کا فقہ کا درس بہت مشہور تھا، حضرت حماد کے علاوہ آپ کے دوسرے اساتذہ تقریباً چار ہزار ہیں۔ مفتاح السعاده میں لکھا ہے کہ عند مشائخ الشافعی قبلہ ثمانین و دس مشائخ الامام قبلہ اربعۃ الوداد۔ ۱۴ ص ۲۔ حدیث، تفسیر، ناخ، نسخ وغیرہ علوم میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی اس وجہ سے آپ کا شمار مجتہد مطلق کے درجہ میں ہونے لگا۔

امام صاحب کی ذہانت و فطانت

امام صاحب کی طفولیت میں ایک دہریہ آیا اور اس نے مناظرہ کا چیلنج دیا۔ وہ کئی غلطیوں کو شکست دے چکا تھا، حضرت حماد بھی اس کے چیلنج سے متفکر تھے انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک خنزیر نے درخت کی شاخوں کو کھالیا لیکن اس

کی جڑ اور تنہ باقی تھا اس تنہ میں سے ایک شیر نمودار ہوا اور اس نے اس خنزیر کو ملاک کر دیا۔ صبح کو حضرت حمادؑ کے پاس امام صاحبؑ گئے تو آپ کو مفہوم و متفکر پایا۔ پوچھے پر آپ نے دہریہ کا چیلنج اور خواب کا واقعہ سنایا، امام صاحبؑ نے سن کر کہا الحمد للہ وہ خنزیر تو دہریہ تھا، اور درخت سے مراد علم ہے اور شاخیں آپ کے غلاموں کے غلام ہیں اور تنہ اور جڑ آپ ہیں اور شیر میں ہوں، انشاء اللہ میں اس کو مات دے دوں گا، حضرت حمادؑ اپنے مایہ ناز شاگرد کو لے کر مجلس مہنا نگرہ (جو جامع مسجد میں تھی) میں پہنچے، دہریہ نے مہر پر چڑھ کر اپنے اعتراضات بیان کرنے شروع کیے، مقابل میں جب امام صاحبؑ کی کم عمری کو دیکھا تو آپ کی تحقیر و تذلیل شروع کی، امام صاحبؑ نے کہا کہ اس کو چھوڑو اور اپنا دعویٰ بیان کرو، امام صاحبؑ کی اس جرات پر دہریہ متعجب ہوا، اور اپنا سوال پیش کیا۔

کیف یکن ان یوجد شیئی لا اول . یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی موجود شے کا نہ اول والا اول ہو۔

اس کا اشارہ حق جل و علا کی صفت ازلیت وابدیت کی طرف تھا، اس کے جواب میں امام صاحبؑ نے فرمایا تجھے گنتی آتی ہے؟ اس نے کہا ہاں، امام صاحبؑ نے پوچھا: کہ ایک سے پہلے کیا عدد ہے؟ اس نے جواب دیا ہو الاول لیس قبلہ شیئی۔ وہ اول ہے اس سے پہلے کوئی عدد نہیں ہے۔ امام صاحبؑ نے فرمایا کہ جب واحد مجازی سے پہلے کچھ بھی نہ ہو ایسا ہوتا ہے تو واحد حقیقی سے پہلے کچھ بھی نہ ہو ایسا کیوں نہیں ہوتا؟

دہریہ کا دوسرا سوال تھا کہ ہر چیز کسی نہ کسی جہت میں ہے تو پھر اللہ کا چہرہ نور

کس جہت میں ہے ؟

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ تم نے کبھی چراغ تو جلایا ہو گا بتلائے روشنی کا رخ
کہ عر ہوتا ہے اس نے کہا کہ اس کے نور کے لیے تو سب جہتیں برابر ہیں۔ امام
صاحبؒ نے فرمایا کہ نور مجازی کے لیے جب سب جہتیں برابر ہیں تو نور حقیقی کے
لیے کیوں برابر نہ ہوں گی ؟ اب دہریہ کا تیسرا سوال تھا کہ :

ہر موجود شے کے لیے کوئی نہ کوئی جگہ ہوتی ہے بتلائیے اللہ پاک کون سی
جگہ میں ؟

امام صاحبؒ نے دودھ منگوا یا اور پوچھا بتلائیے اس میں گھی کہاں ہے ؟
حالانکہ گھی اسی سے بنتا ہے اس نے کہا گھی اس میں کسی مخصوص جگہ میں نہیں ہے
بلکہ ہر قطرہ میں ہے۔ اس پر امام صاحبؒ نے فرمایا کہ جب معدوم ہونے والی چیز
ہر قطرہ میں ہو سکتی ہے تو وہ خالق الارض والسماء ہر جگہ کیوں نہ ہو گا ؟ اب دہریہ
کا آخری سوال تھا :

اللہ پاک کیا کرتے ہیں ؟

اس کے جواب میں امام صاحبؒ نے فرمایا کہ تم نے ممبر پرہ کر بہت سے
سوال کیے اور میں نیچے کھڑے ہو کر جواب دیتا رہا اب آپ ذرا نیچے اتر بیٹھے
اور مجھے ممبر پرہ چڑھنے دیجئے تاکہ میں جواب دوں، وہ اتر ادر امام صاحبؒ ممبر
پر تشریف لے گئے اور فرمایا :

اللہ جل شانہ تیرے جیسے رزیک کو ذلیل کرتا ہے اور میرے جیسے موحّد کے
درجات کو بلند کرتا ہے۔ کل یوم ہونی شأن اھ (مفتاح السعاده ص ۱۲)

امام صاحبؒ کے متعلق خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی
 ہے "والآخرین منہم لہدایہم" ہم والی آیت پڑھ کر حضرت سلمان فارسیؓ
 کی پشت پر ہاتھ مارا اور فرمایا ان میں سے وہ ہوگا یعنی فارسی النسل آیا، حدیث
 میں فرمایا کہ میری امت میں ایک آدمی ہوگا جو سراج امت ہوگا، اگر علم شریا پر ہوگا
 تو اسے بھی حاصل کر لے گا۔ غلام سیوطیؒ فرماتے ہیں "هذا اصل صحیح یعنہ علیہ
 فی البشارة بابی حنیفۃ" مقدمہ راجز ص ۵۶۔ غرض کہ حضور اقدس
 صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرما کر امام صاحبؒ کے رتبہ کو آشکارا فرمایا۔
 امام صاحبؒ کا درع و تقویٰ بھی بہت بڑھا ہوا تھا، کو فرمایا، ایا مرتبہ
 کسی کی بکری چوری ہوگئی تو آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا۔
 (مفتاح السعادة ص ۱۷۱) اس لیے کہ بکری کی عمر سات سال ہوتی ہے، ایک
 مرتبہ سخت گرمی اور دھوپ میں آپ تشریف لے جا رہے تھے، دھوپ سے
 بچنے کے لیے مکانوں کے سایہ میں چلتے تھے کہ ناگاہ ایک مکان کے سایہ
 سے نکل کر دھوپ میں چلے گئے۔ کسی نے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ
 نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کل قرض جو نفعاً نہ ہو رہا رہے قرض جس کے
 ذریعہ سے نفع حاصل کیا جاوے وہ سود ہے، اس گھر کے مالک نے مجھ سے
 قرض لیا ہے اس لیے میرے لیے اس گھر سے نفع حاصل کرنا تقویٰ کے خلاف
 امام صاحبؒ کے ایک ملازم نے آیا عیب دار کپڑا عیب بتائے بغیر بیچ دیا
 آپ نے حاصل شدہ تمام رقم صدقہ کر دی۔
 اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جن سے آپ کے درع و تقویٰ کی بلندی

نکاح ہوتی ہے۔

عبادت میں آپ کا یہ حال تھا کہ چالیس سلاہ تک عشاء کے وضو سے آپ نے فجر کی نماز پڑھی ہے اور ہر ماہ ساٹھ قرآن ختم کرتے تھے، ایک دن میں اور ایک رات میں۔ اور رمضان المبارک میں ۶۱ قرآن مجید ختم فرماتے تھے اور جس جگہ آپ لی وفات ہوئی اس جگہ آپ نے سات ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کیا تھا۔
(رمضان السعاده)۔

امام صاحبؒ نے ۹۹ مرتبہ خداوند قدوس کی خواب میں رجیسا کہ ان کی شان کے لائق ہے، زیارت کی۔ ایسا مرتبہ فرمایا کہ اگر اب زیارت ہوئی تو میں حق جل شانہ سے دریافت کر دوں گا کہ یا الہی تیری مخلوق قیامت کے دن تیرے عذاب سے کس طرح نجات پائے گی، چنانچہ پھر جب سوویں مرتبہ زیارت ہوئی تو آپ نے وہ بات دریافت کی، جواب ملا کہ جو شخص سچ و شام یہ دعا پڑھے گا، اس کی مغفرت کر دوں گا:-

سبحان ابدی الابد، سبحان الواحد الاحد، سبحان الفرد الصمد
سبحان رافع السماء لبغی عمد، سبحان من بسط الارض علی ما یجد
سبحان من خلق الخلق فاحصا هم عدد، سبحان من قسم الرزق ولم
ینس احد، سبحان الذی لم یتخذ صاحبتہ ولا ولدا، سبحان الذی
لم یلد ولم یولد، ولم یکن لہ کفو احد۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ المختار ص ۲۵۱۔
امام صاحبؒ نے ۵۵ مرتبہ حج کیا ہے، آپ نے جب آخری حج کیا تو حاجب
کعبہ کی اجازت سے رات کو کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور دو ستونوں کے

درمیان اس طرح دو رکعت ادا فرمائی کہ ایک پاؤں پر کھڑے رہ کر پہلی رکعت میں آدھا قرآن اور دوسرے پاؤں پر کھڑے رہ کر دوسرے رکعت میں بقیہ آدھا قرآن پڑھا اور ختم کیا اور سلام پھیر کر خوب روئے اور دعا فرمائی:

یا الہی ما عبدک هذا العبد الضعیف حق عبادتک
ولکن عرفک حق معرفتک فہب لقصان خدمتہ
بکمال معرفتہ، اے تعالیٰ آواز دے یا ابا حنیفہ، قد عرفتنا
حق المعرفۃ وترد خدمتنا فاعلمنا انک العبد متردد قد
تمفرنا لک ولما اتینا من کان علی مذہبک الی یوم
القیامۃ (ردالمحتار ص ۱۳۶)

نیز مفتاح السعاده میں لکھا ہے کہ ردی ان الامام رأی فی المنام
کامنہ رینش قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و یجمع نظامہ الی حدیث
ص ۸۲۔ اس جواب سے امام صاحب گہرا گئے اور اس زمانہ کے مشہور معتبر امام
محمد بن سیرینؒ سے تعبیر دریافت کی، انہوں نے فرمایا کہ یہ خواب تیرا نہیں ہے یہ
خواب تو ابو حنیفہؒ کا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہی ابو حنیفہ ہوں تب ابن سیرینؒ
نے فرمایا کہ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نشر و اشاعت فرمائیں گے۔
آپ کثرت سے روزہ رکھنے والے تھے اور خاموش رہتے تھے اور جب
کوئی مسئلہ پوچھتا تو اس طرح بولتے تھے گویا علم کا دریا بہہ رہا ہے۔ خلاصہ کلام
یہ کہ آپ ایتہ من آیت اللہ تھے۔

حَاسِدِینَ وَمُعَانِدِینَ :

امام صاحبؒ پر ان کی حیات میں بھی اور اس کے بعد بھی حتیٰ کہ اب تک حاسدین و معاندین عجیب و غریب اعتراضات کرتے رہتے ہیں لیکن مقلاد و نقلًا تمام اعتراضات بجز اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں، بھلا جس کے چارہزار سائذہ ہوں اس کو صرف سترہ حدیثیں یاد ہوں، یہ کیسے یاد کیا جاسکتا ہے؟ جب آپ تابعی ہیں کیونکہ اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات ۴۰ھ میں ہوئی ہے اس لیے امام صاحبؒ کی ولادت کے بارے میں دونوں اقوال کے اعتبار سے آپ کی عمر اس وقت ۲۱ سال کی یا ۲۲ سال کی ہوگی، نیز حضرت انسؓ کے علاوہ اور تین چار صحابہؓ بھی حیات تھے، لہذا امام صاحبؒ کا تابعی ہونا یقینی ہے اور یہ ایسا شرف ہے کہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے امام کو حاصل نہیں ہوا ”اکمال فی اسماء الرجال“ کے باب ثانی میں ائمہ اربعہ کا ذکر ہے، اس میں سب سے پہلے امام مالکؒ کا ذکر کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ آپ تمام ائمہ میں بزرگی اور بڑے اعتبار سے مقدم تھے، امام مالکؒ کی بزرگی تلم لین زمانہ اور بڑے اعتبار سے امام صاحبؒ ان سے یقیناً مقدم تھے، امام صاحبؒ کی امام مالکؒ سے ملاقات بھی ہوئی ہے اور بہت سے مسائل میں ان سے بحث و مباحثہ بھی ہوا ہے، کسی نے امام مالکؒ سے امام صاحبؒ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے امام صاحبؒ کی تعریف و توصیف و توثیق کرتے ہوئے یہ جملہ ارشاد فرمائے :-

قال الشافعی قیل لمالك هل رأيت اباحذیقتر قال نعم رأيت رجلا لو كلمته في هذه السارين ان يجعلها اذ بها القامحجة ۴۱
 امام شافعی امام صاحب کے شاگردوں کے شاگرد ہیں آپ امام صاحب کا بہت احترام فرماتے تھے اور اتنا ادب کرتے تھے کہ جب امام صاحب کی تبرک مبارک پر حاضر ہوئے تو نماز فجر میں دعائے قنوت نہ پڑھی اور رفع یدین بھی کیا۔ وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب کسی مسئلہ میں مجھے کوئی الجھن پیش آتی ہے تو میں دو رکعت پڑھ کر امام صاحب کی روح سے استفادہ کرتا ہوں جس کی وجہ سے وہ الجھن رفع ہو جاتی ہے۔

فقہ حنفی :

اس سے پہلے جو فضائل بیان ہوئے ہیں وہ نفس فقہ کے تھے اب فقہ حنفی کے متعلق فضائل کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ نے کیا ہی انصاف کی بات فرمائی ہے الناس عیال ابی حنیفہ تر فی الفقہ۔ ابونک فقہ میں ابو حنیفہؒ کی اولاد ہیں اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ :

من اراد الفقہ فلیلزم اصحاب ابی حنیفہ فان المعانی قد تیرت لهم واللہ ما صرت فقیہا الا بکتب محمد بن الحسن ۴۲
 یعنی جو فقہ سیکرنا چاہے اس کو چاہئے کہ اصحاب ابو حنیفہؒ کو لازم پکڑے اس لیے کہ معانی و مطالب ان کے لیے آسان ہو گئے ہیں اور خدا کی قسم میں امام محمد بن حسن کی کتابوں ہی سے فقہ میں

الدر المختار علی هامش الشافی ص ۲۵ ج ۱

ماہر ہوا ہوں۔

علامہ شعرائی ”میزان الاقتدال“ میں فرماتے ہیں:

”خداوند قدوس نے جب اس عاجز پر بشریت کے چہرہ اسرار کو
منکشف فرمایا تو میں نے تمام مذاہب کو اس سے لگایا ہوا پایا اور میں
نے ائمہ اربعہ کے مذاہب کو دیکھا کہ وہ تمام نہروں کی شکل میں بہہ رہے
ہیں اور وہ تمام مذاہب جو سٹ مٹا گئے وہ تپھر کی شکل میں بدل گئے
ہیں اور تمام ائمہ میں سب سے زیادہ لمبی نہر میں نے امام ابو حنیفہؒ کی
پانی اور اس کے قریب امام مالکؒ کی پھر امام شافعیؒ کی اور پھر امام احمد
بن حنبلہؒ کی اور ان سب میں چھوٹی نہر امام داؤد کے مذاہب کی تھی حال
یکہ وہ پانچویں صدی میں ختم ہو گیا پس نے اس کا مطلب یہ لیا کہ نہروں
کی لمبائی سے ان مذاہب پر عمل کے زمانہ کی لمبائی مراد ہے پس جس طرح
امام ابو حنیفہؒ کا مذاہب تمام مذاہب مدونہ میں شروع میں وجود میں
آیا اسی طرح وہ سب سے آخر میں ختم ہو گا اہم“

اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں:
”اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات فقہ شافعی کے ساتھ
وافقت رکھتے ہیں اور کمالات بنو ت کی مناسبت فقہ حنفی کے
ساتھ ہے یعنی اگر بالفرض اس وقت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو
فقہ حنفی کے موافق نکلتا“ اس وقت خواجہ محمد پارہ ساقی سرہ
کی اس سخن کی حقیقت معلوم ہو گی جو انہوں نے ”فصول ستہ“ میں

نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوہ والسلام نزل کے بعد

امام رضی اللہ عنہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے،

(مکتوب ۲۸۲، دفتر اول ص ۵۸۵)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام صاحب کی تقلید کریں گے
بلکہ وہ تو مجتہد ہوں گے لیکن ان کا اجتہاد فقہ حنفی کے اجتہاد سے موافق ہو گا۔
مسند الہند حضرت شاہ دلی الدہلوی فیوض الحرمین میں تحریر فرماتے
ہیں کہ :-

عمر فتنی رسول اللہ صلی اللہ	یعنی نبی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم ان فی المذہب	نے بتلایا کہ مذہب حنفی ایک عرصہ
الحنفی طریقتہ انیقہ ہی اوفق	طریقہ ہے جو اس سنت سے زیادہ
الطریق بالسنتہ المعروفہ التی	موافق ہے جو امام بخاریؒ اور ان کے
جمعت ولفجت فی زمان البخاری	اصحاب (دیگر محدثین) کے زمانہ میں
واصحابہ ام -	جمع ہوئی اور پھیلی -

یزید زمانہ میں اکثریت مذہب حنفی پر عمل کرتی آئی ہے اور اکابر صوفیہ بھی
مذہب حنفی کے مطابق ہی عمل کرتے رہے ہیں، جیسا کہ درختہ ص ۱۸ میں ہے :-
وقد اتبعہ کثیر من الاولیاء الکرام من الصف بنبات المجاہدۃ
ورکض فی میدان الشاہدۃ کابراہیم بن ادہم، وشفیق البلخی و
معروذ، الکوخی وابی یزید البسطامی وفضیل بن عیاض وداؤد الطائی
والجی حامد اللغات وخالف بن ایوب وعبید اللہ بن مبارک وکیع بن

بن الجراح رابی بکر الوراق وغیرہم ممن لا یحصى لبعده ان یتقصی
فلو وجدوا فیہ شبہۃ ما اتبعوہ ولا اقتدوا بہ ولا وافقوہ ۸۱۔

یہ جس طرح امام صاحب تمام علوم و فنون میں یکجائے زمانہ تھے اسی طرح
آپ کے خدام اور شاگرد بھی خصوصی مہارت کے حامل تھے، ابن کرامہ کے سامنے
کسی نے کہا کہ اخطا الوحیفۃ راہو حنیفہ نے غلطی کی ہے، ابن کرامہ نے
اس کے جواب میں فرمایا تو یہ کس طرح کہتا ہے حالانکہ امام ابو حنیفہؒ کے پاس ابو
یوسفؒ اور زفر جیسے قیاس والے تھے اور یحییٰ بن ابی زائدہ اور حفص بن غیاث
اور جہان جیسے حفاظ حدیث تھے اور قاسم بن معن جیسا فقہ اور عربیت کا ماہر
تھا اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زائدہ تھے ان کے ہوتے ہوئے وہ غلطی
نہیں کر سکتے اور اگر وہ غلطی کرتے بھی تو یہ لوگ ان کو حق کی طرف لے آتے۔

(مفتاح السعادة ص ۸۳)

امام صاحبؒ کے یہاں تدوین فقہ کی صورت یہ تھی کہ آپ کے سب شاگرد
جمع ہو کر کسی مسئلہ پر بحث کرتے، اخیر میں امام صاحبؒ اس مسئلہ کو پوری وضاحت
سے بیان فرماتے پھر اگر سب کا اتفاق ہوتا تو وہ لکھ دیا جاتا۔ آپ کے طریقہ اجتہاد
میں سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع ہوتا تھا اس کے بعد حدیث کی طرف اور
جو حدیث قرآن سے زیادہ قریب ہوتی اس پر عمل کرتے تھے مثلاً صلوة خوف کی
بہت سی صورتیں احادیث میں مروی ہیں ان میں سے امام صاحبؒ نے ابن مسعودؓ
کی روایت کردہ صورت اختیار فرمائی جو الفاظ قرآن سے زیادہ قریب ہے پھر اگر
احادیث یا صحابہؓ میں اختلاف نظر آتا تو فرماتے کہ صحابہؓ کی اقتداد کے بغیر کوئی

چارہ نہیں اور ہایہم اقتدیتیم اہتدیتیم کے پیش نظر کسی ایک صحابی کی روایت کو اختیار فرماتے اور تابعین میں اختلاف ہوتا تو چونکہ ان میں محبت نبویؐ یا دوسری خصوصیت نہیں تھی اس لیے فرماتے کہ نحن رجال و ہم رجال اور خود اجتہاد فرماتے۔ اس طریقہ تدوین سے آپ نے ساٹھ ہزار مسائل استنباط کیے۔

ابن مالک بن انس انہ قال
وضع ابو حنیفۃ مئین الف
مسئلۃ فی الاسلام و عن الامام
ابی بکر بن عتیق انہ وضع خمساً
الف مسئلۃ و ذکر خطیب الخوارزمی
انہ وضع ثلاثۃ الف مسئلۃ
و ثلاثین الف فی العبادات و
الباقی فی المعاملات لولا هذا
لبقی الناس فی الضلالۃ اجم -

امام ابو بکر بن عتیق سے مروی ہے
کہ امام صاحبؒ نے پانچ لاکھ مسائل
کا استخراج کیا اور خطیب خوارزمیؒ نے
لکھا ہے کہ آپ نے تین لاکھ مسائل
نکالے، اڑتیس ہزار عبادات میں اور
باقی معاملات میں اگر آپ نہ ہوتے
تو لوگ گمراہی میں رہتے۔

(مفتاح السعاده ص ۱)

غرض امام صاحبؒ نے فقہ کے لیے ایسا نمایاں کارنامہ سرانجام دیا کہ زمانہ
اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

لہٰذا فی الاصل ولعل الصحیح "ثلاث مائۃ الف"

امام صاحب کی وفات :

آدمی میں جس قدر کمالات زیادہ ہوتے ہیں، حاسنین کی بھی اتنی ہی کثرت ہوتی ہے۔ امام صاحب کے ساتھ بھی یہی ہوا، خلیفہ وقت تک آپ کی تقبوت دیکھ کر حسد کرنے لگا اور حیلہ سے امام صاحب کو شہید کر کے ہی چھوڑا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنی خلافت کے زمانہ میں آپ کے قاضی القضاۃ رچیف جسٹس بننے کی فرمائش کی، آپ نے انکار فرمایا، منصور نے بہت زیادہ اصرار کیا آپ نے فرمایا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں، اس نے کہا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں آپ اس کے یقیناً اہل ہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میں اپنے قول میں جھوٹا ہوں تو جھوٹا آدمی قاضی نہیں ہو سکتا اور اگر سچ کہتا ہوں تو میرا عذر قابل قبول ہے اور میں واقعی عہدہ قضا کا اہل نہیں ہوں، غرض کہ امام صاحب نے بڑی شدت سے انکار فرمایا تو منصور نے آپ کو قید میں ڈال دیا، وہاں عہدہ قضا قبول نہ کرنے کی وجہ سے آپ کو روزانہ دس دس مارے جاتے تھے اور سخت تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں، امام احمد بن حنبلؒ جب مشرقِ خلق قرآن کے سلسلہ میں قید کیے گئے تو جب ان کو کوڑے جاتے تو وہ امام صاحب کی حالت یاد کر کے ان کے لیے دعائے رحمت کیا کرتے تھے۔

اس میں اختلاف ہے کہ امام صاحب کی موت کوڑوں کی مار کی وجہ سے ہوئی یا زہر کی وجہ سے؟ صاحب مفتاح السعاده فرماتے ہیں کہ دس گیارہ دن تک کوڑے مارنے کے بعد منصور نے امام صاحب کے پاس زہر کا پیالہ

بیجا، آپ سمجھ گئے اور فرمایا کہ میں جان بوجھ کر اس کو پی کر خودکشی کے گناہ
 میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا ہوں تو بادشاہ کے ملازموں نے
 زبردستی آپ کو زمین پر گرادیا اور جبراً وہ پیالہ آپ کو پلا دیا اور آپ کو زرد و کوب
 بھی کیا۔ جب آپ کو روح نکلنے کا احساس ہوا تو فوراً سجدہ میں گر گئے اور
 اسی حالت میں جان آفرین کے سپرد کی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون !
 اللہ جل شانہ ہماری طرف سے اور پوری امت کی طرف سے آپ کو اپنی شاید
 شان جزائے خیر عطا فرما کر اعلیٰ علیین میں قرب کا درجہ نصیب فرمائے اور
 آپ کی قبر مبارک کو نور سے پُر فرمائے اور آپ کے طفیل ہماری بھی مغفرت
 فرمائے اور آپ کے محبت میں شامل فرمائے آمین۔
 آپ کی وفات ۵۷۱ھ میں بغداد میں رجب یا شعبان یا شوال میں ہوئی ہے
 آپ نے اپنی نسبی اولاد میں صرف ایک صاحبزادہ حماد چھوڑا تھا البتہ روحانی
 اولاد اور شاگرد بہت ہیں جن میں سے چند مشاہیر کا تذکرہ عنقریب کیا جائے
 گا۔ آپ کے جنازہ میں خلق کثیر شریک ہوئی، ایک قحط اندازہ کے مطابق
 پانچ لاکھ آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی، اس میں مفسور بھی شریک ہوا تھا، اور
 جو لوگ وقت پر حاضر ہو سکے وہ حسرت زدہ دور دور سے آتے رہے اور تقریباً
 بیس دن تک آپ کی قبر پر نماز پڑھتے رہے۔ آپ کو بغداد کے قبرستان میں
 دفن کیا گیا، آپ کے مزار مقدس پر آج تک لوگ حاضری دیتے رہتے ہیں۔

امام دارالہجرت مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ :

امت مسلمہ حرمہ میں مسلم الثبوت چار مجتہدوں میں سے آپ ایک ہیں۔ آپ
ہم ائمہ گرامی اور سلسلہ نسب یہ ہے۔ فقیہ الامت، امام دارالہجرت ابو عبد اللہ مالک
بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمر بن الحارث بن غیمان۔ آپ کے اجداد میں
سب سے پہلے ابو عامر دولت اسلام سے مشرف ہوئے ہیں لیکن علمائے اسمائے
رجال کا اختلاف ہے کہ ابو عامر صحابی ہیں یا نہیں؟ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تو نہ تھے مگر کسی نے بھی آپ کو صحابہ
میں شمار نہیں کیا، اخذت اصل الرجال فی صحبۃ ذکرہ الذہبی فی تجرید
الصحابۃ وقال لم أر احدا ذکرہ فی الصحابۃ وکان فی زمن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم مقیمًا وجر المسالك

اور قاضی غیاض نے ابو بکر بن علاء سے نقل کیا ہے کہ آپ حبیل القدر صحابہ
تھے اور بدر کبریٰ کے غلاوہ تمام غزوات میں شریک بھی ہوئے تھے۔ صحابی حبیل
شہد المغازی کا تھا خلا بدرا و بدر جزم السیوطی فی تنویر الحوالہ ج ۱
امام مالک کے بعد مجدد کا ائمہ گرامی بھی مالک ہے، آپ بھی حبیل القدر تابعی ہیں
اور جن چار آدمیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہادت کے بعد رات کو
چپکے سے دفن کیا، ان میں سے ایک ہیں۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ عبد اللہ
من کبار التابعین و علمائہم و هو احد الاربعة الذین حملوا عثمان
لیلا الی قبرہ ام و صحیفۃ تنویر الحوالہ اور مقدمہ او خبر منہم وغسلوہ

ودفنہ کی زیادتی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ۹۰ھ یا ۹۲ھ میں ہوئی ہے اس کے
 علاوہ اور اقوال بھی ہیں کہ ۹۷ھ یا ۹۵ھ میں ولادت ہوئی ہے لیکن ۹۲ھ
 والے قول کو اصح کہا گیا ہے، کہتے ہیں کہ آپ رحمہ اللہ میں دو سال تک رہے
 ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ آپ تین سال تک حالت حمل میں رہے والمشہور
 عند اهل التاريخ انه حمل في بطن امرئ ثلاث سنين ۴۱ (مقدمہ و ہرمز)
 آپ مسجد نبویؐ میں حدیث و فقہ کا درس دیتے تھے، آپ کی عمر مبارک ۱۷
 سال کی تھی اس وقت سے درس کا سلسلہ شروع کیا تھا اور تقویر سے ہی دنوں میں
 مرجع خلائق بن گئے تھے۔ آپ کے دروازہ پر طالب علموں کی اتنی بھڑبھڑ تھی
 کہ ہر وقت ایک یا دو سالگاہوا محسوس ہوتا تھا جیسا کہ بارشاہوں کے یہاں ہوتا
 ہے، امام ابو حنیفہؒ سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے اور مباحثہ بھی، امام صاحبؒ
 کے علم و فضل کے آپ بہت ہی مقرب تھے، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور
 امام محمد بن حسنؒ آپ کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔
 حدیث اور فقہ دونوں کا درس الگ الگ ہوتا تھا اور دونوں کا اہتمام بھی جدا
 تھا، حدیث شریف کے درس میں بہت ہی زیادہ اہتمام فرماتے تھے، درس حدیث
 سے پہلے غسل فرماتے، خوشبو لگاتے، نئے کپڑے پہنتے، سر پر بڑی ٹوپی رکھتے
 علامہ باندھتے اور وقار کے ساتھ تشریف لاکر درس دیتے اور جب تک درس
 ہوتا رہتا خوشبو کی دھوئی ہوتی رہتی تھی، اذا اتاكم الناس خرجت اليهم

الجارية فتقول اہم ليقول لکم الشیخ تریدون الحدیث والاسأل
فان قالوا المسائل خرج الیہم وافتاہم وان قالوا الحدیث قال لہم
اجلسوا ودخل مغتسلہ فاعتسل وتطیب ولبس ثیاباً جددًا وتعمم
ووضع علی رأسہ قلنسوة طویلة احم (مقدمہ اوجز ص ۱۲)

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ ایسا مرتبہ میں آپ نے پاس حدیث پڑھ
رہا تھا اور آپ ہم سے حدیث بیان کر رہے تھے کہ ایک بچھونے آپ کو ۱۶ مرتبہ
ٹونک مارا جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا لیکن حدیث کے درس کو منقطع
نہیں فرمایا۔ جب لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ حدیث شریف کے ادب کی وجہ سے
میں نے ادھر توجہ نہیں کی، (مقدمہ اوجز ص ۱۵)

آپ کو مدینہ منورہ سے بہت محبت تھی اس لیے وہاں سے کہیں باہر جانا
پسند نہیں کرتے تھے، نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کی وجہ سے مدینہ
منورہ میں کبھی جوتے پہن کر اور سواری پر سوار ہو کر نہیں بٹھے اور فرماتے تھے کہ جب
پاک زمین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہوں اس کو میں اپنی سواری سے کیسے
روند سکتا ہوں۔

اور تین دن میں صرف ایک مرتبہ بیت الخلا جاتے تھے اور وہ بھی مدینہ منورہ
سے باہر، آپ نے مدینہ ہمیشہ کرایہ کے مکان میں زندگی گذاری، خود اپنے مکان نہیں
بنایا، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشق و محبت اور ادب ہی کی برکت
ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ما بات لیلتہ الا رأیت فیہا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم یعنی کوئی رات ایسی نہیں گذری جس میں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیارت سے شرف نہ ہوا ہوں (راوندی اور ہرمس)

جس طرح امام ابو حنیفہ کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے اسی طرح امام مالک کے متعلق بھی پیشین گوئی فرمائی ہے :

عن ابی حریرة رواه یوشک
ان یحب الناس اکباد الابل
یطلبون العلم فلا یجدون
احداً اعلم من عالم المدینة
قال سفیان بن غنیمہ انہ مالک
بن انس (مشکوٰۃ شولیف)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ
کما ارشاد ہے کہ وہ زمانہ قریب ہے
کہ لوگ طلب علم میں اپنی اونٹنیوں کو
مشقت میں ڈالیں گے پس وہ عالم
مدینہ سے زیادہ علم والا کسی کو نہیں پائیں
گے سفیان بن غنیمہ فرماتے ہیں کہ وہ
مالک بن انس ہیں۔

آپ کے فخر کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے
آپ کے علم ہونے کی خبر دے دی نیز خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
جب تک میرے بارے میں ستر علماء نے فتویٰ کی صلاحیت کی شہادت نہ دی تب
تک میں نے فتویٰ نہیں دیا۔ ما افتی حتی شہد لہ سبعون اماماً اراہل
لذلک (مقدمہ اور جز ۱)

ارشادِ وقتِ جعفر منصور آپ کا بھی دشمن اور حاسد ہو گیا تھا اور بہت کایا
دیتا تھا حتیٰ کہ آپ کے ہاتھ بھی اتر داریے تھے اگر کچھ تصنیف و تالیف نہ کریں
اور آپ کو بھی کوڑے مارے جاتے۔ تو یہ آپ کی تصنیفات میں موطا مشہور آفاق

الجارية فتقول اہم یقول لکم الشیخ تریدون الحدیث او السائل
فان قالوا المسائل خرج الیہم وافتاحہم وان قالوا الحدیث قال لہم
اجلسوا ودخل مقعدہ فاعتسل وتطیب ولبس ثیاباً جددًا وتعمم
ووضع علی رأسہ قلنسوة طویلة اہم (مقدمہ اوجز ص ۱۲)

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ ایسا مرتبہ میں آپ نے پاس حدیث پڑھ
رہا تھا اور آپ ہم سے حدیث بیان کر رہے تھے کہ ایک بچھونے آپ کو ۱۶ مرتبہ
ٹونک مارا جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا لیکن حدیث کے درس کو منقطع
نہیں فرمایا۔ جب لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ حدیث شریف کے ادب کی وجہ سے
میں نے اوجھ تو جہ نہیں کی (مقدمہ اوجز ص ۱۵)

آپ کو مدینہ منورہ سے بہت محبت تھی اس لیے وہاں سے کہیں باہر جانا
پسند نہیں کرتے تھے، نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کی وجہ سے مدینہ
منورہ میں کبھی جوتے پہن کر اور سواری پر سوار ہو کر نہیں چلے اور فرماتے تھے کہ جبر
پاک زمین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہوں اس کو میں اپنی سواری سے کیسے
روند سکتا ہوں۔

اور تین دن میں صرف ایک مرتبہ بیت الخلا جاتے تھے اور وہ بھی مدینہ منورہ
سے باہر، آپ نے مدینہ ہمیشہ گریہ کے مکان میں زندگی گزاری، خود اپنا مکان نہیں
بنایا، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت اور ادب ہی کی برکت
ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ما بت لیلة الا رأیت فیہا رسول اللہ صلی اللہ
تعلیہ وسلم یعنی کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو

زیارت سے شرف نہ ہوا ہوں (مقدمہ اور بزم)

جس طرح امام ابو حنیفہؒ کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے اسی طرح امام مالک کے متعلق بھی پیشین گوئی فرمائی ہے :-

عن ابی ہریرۃ رواہ یوشک
ان یضرب الناس اکباد الابل
یطلبون العلم فلا یجدون
احداً اعلم من عالم المدینۃ
قال سفیان بن عیینہ انہ مالک
بن انس (مشکوۃ شولیف)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ
کما ارشاد ہے کہ وہ زمانہ قریب ہے
کہ لوگ طلب علم میں اپنی اونٹنیوں کو
مشقت میں ڈالیں گے پس وہ عالم
مدینہ سے زیادہ علم والا کسی کو نہیں پائیں
گے سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ وہ
مالک بن انس ہیں۔

آپ کے فخر کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے
آپ کے علم ہونے کی خبر دے دی نیز خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
جب تک میرے بارے میں ستر علماء نے فتویٰ کی صلاحیت کی شہادت نہ دی تب
تک میں نے فتویٰ نہیں دیا۔ ما افتی حتی شرحد لہ سبعون اماماً (مراہل)
لذا لک اھ مقدمہ اور جزو ۱۔

ارشاد وقت جہنم منصور آپ کا بھی دشمن اور حاسد ہو گیا تھا اور بہت کایا
دیتا تھا حتیٰ کہ آپ کے ہاتھ بھی اتر داریے تھے تاکہ کچھ تصنیف و تالیف نہ کر سکیں
اور آپ کو بھی کوڑے مارے جاتے تھے، آپ کی تصنیفات میں موطا شہور و افاق

ہے۔
 بقول علامہ سیوطیؒ آپ انوار کے دن بابر ہوئے اور ۲۲ دن بیمار رہ کر
 ربیع الاول کی ۱۰ یا ۱۱ تاریخ کو ۱۴۹ھ میں عالم فناء سے عالم بقا کو رحلت فرما
 گئے اور بقیع الغرقہ میں مدفون ہوئے۔ اور بقول علامہ داقدیؒ نوے سال کی عمر
 پائی وقال ابن خردون اختلف فی تاریخ وفاته والصحيح انها كانت يوم
 الاحد لتمام اشين وعشرين يوما من موصلة فی ربیع الاول سنة
 تسع وسبعين ومائتاھ مقدم مراد بندہ ص ۱۲، آپ کی نسی اور یادیں دو
 اجزاء کے یکھی اندر محمد اور ایک دہ اجزاء، فاطمہ تھیں۔

تذکرہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ :

اسم گرامی اور سلسلہ نسب یہ ہے ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن
 عثمان بن شافعی بن السائب القرظی الهاشمی، آپ کی پیدائش ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے
 بعض لوگ کہتے ہیں کہ جبرون امام ابو حنیفہؒ کی وفات ہوئی ہے اسی دن آپ کی
 پیدائش ہوئی تھی۔ جب آپ کی عمر شریف دو برس کی ہوئی تب آپ کی والدہ آپ کو
 کے کر مکہ مکرمہ حاضر ہوئیں، وہاں انہوں نے بشارات دیکھے، آپ امام مالکؒ کے
 شاگرد ہیں، امام مالکؒ سے حدیث پڑھنے سے پہلے ہی آپ نے مؤطا حفظ کر لی
 تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے بھی پیشین گوئی فرمائی ہے
 لا تسبوا قریشا فان عالمها یملأ الارض علما یعنی قریش کو برا نہ بولنا کہو کہ
 ان کا ایسا عالم زمین ظلم سے بھر دے گا، آپ نے امام محمدؒ کی کتابوں سے فقہ میں

مہارت حاصل کی ہے۔ صاحب مفتاح السعادات نے آپ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ فضائلہ اکثر من ان تعصى وبالجملة هو امام الدنيا وناظر الارض شرقا وغربا جمع الله له من العلوم والمفاخر ما لم يجمع لامام بعده وانتشر له من الزكر ما لم ينتشر لاحد سواه (ص ۶۲) اصول فقہ میں آپ نے سب سے پہلے کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام الرسالة ہے۔

آپ کی وفات ۲۰۴ھ میں رجب کی آخری تاریخ کو شب جمعہ میں بوقت نمازِ غشا ہوئی ہے اور جمعہ کے بعد العصر آپ کی تدفین عمل میں آئی تھی آپ کی کل مدت عمر ۵ سال ہے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

تذکرہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ :

آپ کا اسم گرامی اور سلسلہ نسب یہ ہے ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی المروزی۔ آپ کی پیدائش ۱۶۴ھ میں بغداد میں ہوئی ہے اور ۲۴۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے آپ کی مدت عمر ۷۷ سال ہے۔ صاحب مفتاح السعادات نے آپ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ :

كان اماما في الفقر والحديث والزهد والورع والعبادة .
يعني آپ فقہ حدیث، زہد، ورع اور عبادت میں امام تھے۔

آپ کے اساتذہ میں امام شافعیؒ اور سیفان بن عیینہ بھی ہیں۔ امام شافعیؒ آپ کی تعریف میں فرماتے ہیں :

خروجت من بغداد ما خلفت یعنی میں بغداد سے نکلا اس وقت
 بما احداً اتقى واورع ولا وہاں اپنے پیچھے احمد بن حنبل سے
 افقر ولا اخلم من احمد بن حنبل بڑھ کر کسی کو زیادہ متقی اور پرہیزگار
 (مفتاح السعادة ص ۹۸) اور زیادہ فقیہ اور بڑا عالم نہیں چھوڑا۔
 مسئلہ خلق قرآن میں آپ کی ثابت قدمی اور ضبط مشہور ہے، آپ کے جنازہ
 میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ شریک ہوئے تھے اور ارشاد ہام کو دیکھ کر تبس ہوا
 یہودی اسلام لائے تھے، آپ کے دفن کے ۲۳ سال بعد آپ کے قریب ایک
 قبر کھودتے ہوئے آپ کی قبر کھل گئی تو کفن ویسا ہی دیکھا گیا گویا آج ہی دفن کیے
 گئے ہیں۔ امام بخاریؒ اور امام ذہبیؒ آپ کے شاگرد ہیں۔

تذکرہ تلامذہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ :

امام صاحبؒ کے تذکرہ کے بعد آپ کے ان شاگردوں کا تذکرہ بھی ناگزیر
 سے خالی نہیں ہے جن کی وجہ سے فقہ حنفی کو شہرت ہوئی۔ یوں تو امام صاحبؒ
 کے شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع ہے مگر ان میں سے چار سب سے اونچے درجہ میں
 شمار کیے جاتے ہیں۔ ہدایہ میں اکثر ان کا تذکرہ آتا رہا ہے، ان میں سب سے
 اول امام ابو یوسفؒ ہیں پھر امام محمدؒ پھر امام زفرؒ پھر امام حسن بن زیادؒ فقہاء
 کا اختلاف ہے کہ امام زفرؒ اور حسن بن زیادؒ دونوں میں تقدیم و تاخیر ہے یا
 دونوں ایک ہی درجہ میں ہیں، علامہ شامیؒ کی شرح عقود رسم المفتی ص ۶۹ کی عبارت
 سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی درجہ کے ہیں مگر صاحب النہج امام زفرؒ

کو مقدم اور امام حسنؑ کو مؤخر مانتے ہیں۔

تذکرہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ :

امام ابو یوسفؒ کا اہم گرامی مع سلسلہ نسب یہ ہے، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن خنیس بن سعد الانصاریؒ (صفحہ ۲۲۲ الجوامع المصنئیہ) آپ انصاری الاصل ہیں آپ کے ایک صاحبزادے یوسف تھے، اس لیے آپ کی کنیت ابو یوسف ہے، آپ کے اجداد میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ صعب سے پہلے مسلمان ہیں۔ غزوہ اُحد میں انہوں نے اپنے آپ کو شریعت جہاد کے لیے پیش کیا تھا مگر آپ کی صغیر سنی کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہیں فرمایا (مفتاح السعادة ص ۱۲۱)

امام ابو یوسفؒ کی پیدائش ۱۱۳ھ میں کوفہ میں ہوئی ہے۔ اکثر ارباب تذکرہ آپ کا سن ولادت ۱۱۳ھ لکھتے ہیں لیکن ابو القاسم علی بن محمد سمعانی، (متوفی ۴۹۹ھ) نے اور صاحب مسالک الابصار نے لکھا ہے کہ آپ کی ولادت ۸۹ برس کی عمر میں ہوئی اور وفات کے بارے میں سب متفق ہیں ۱۸۲ھ میں ہوئی ہے اس اعتبار سے آپ کا سن ولادت ۹۳ھ ہونا چاہیے، علامہ اکثوریؒ نے امام ابو یوسفؒ کی سوانح اور امام ذہبیؒ کے رسائل میں یہ ثابت کیا ہے کہ ۹۳ھ زیادہ قریب قیاس ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ۹۳ میں نو کا سراسر مٹ کر ۱۳ بن گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ۱۳ھ میں آپ کی ولادت نہیں ہو سکتی اس لیے ارباب رجال نے قیاساً ۱۱۳ھ سمجھا، عاجز کے خیال میں

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام ابو حنیفہؒ
 کو شیخین کہا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس تغایب میں عمر کا کوئی تناسب ضرور
 ہونا چاہیے۔ اگر ان کی ولادت ۱۱۳ھ میں قرار دی جائے تو امام صاحبؒ
 اور ان کی عمر میں ۲۲ برس کا تفاوت ہوتا ہے اور اتنے تفاوت کی صورت
 میں دونوں کو شیخین کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ ۱۱۴ھ (تبع تابعین ص ۲)
 بعد میں آپ نے بغداد میں سکونت اختیار کی تھی۔ آپ کے والد بزرگوار
 صغیر ہی میں چھوڑ کر وفات پا چکے تھے اس لیے آپ کی پرورش کی ساری
 ذمہ داری بیوہ ماں کے ناتواں کندھوں پر آ پڑی۔ والدہ محترمہ نے آپ کو ایک
 دھوبی کے سپرد کر دیا کہ آپ وہاں منت مزدوری کر کے کچھ کمائیں مگر آپ کو
 بچپن ہی سے پڑھنے کا شوق تھا۔ اس لیے کام چھوڑ کر امام صاحبؒ کے حلقہ
 درس میں شریک کرنے لگے۔ بہت دنوں تک اس طرح چلتا رہا، آخر کار آپ کی
 والدہ کو اس کا علم ہوا تو وہ امام صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور برا بھلا کہنا
 شروع کیا اور اپنی غریبی کا اظہار شروع کیا، اور امام ابو یوسفؒ کو آئندہ درس
 میں شریک نہ کرنے کے لیے کہا، امام صاحبؒ نے فرمایا کہ تم اس کو چھوڑ دو اس
 لیے کہ میں اس کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ پستہ کے تیل کا فالودہ کھا رہا ہے یہ سن کر
 آپ کہہ والدہ ناراض ہو کر یہ کہتے ہوئے چل گئی کہ ان بڑے میاں کو تو دیکھو ان کی
 عقل ماری گئی ہے، یہاں تو کھانے کو نہیں ملتا وہ فرماتے ہیں کہ فالودہ کھانے کا۔
 بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد حیات تھے، دونوں روایتوں
 سے بطور مشترک اتنا صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیم نہایت غربت اور آری

کی حالت میں ہوئی اور اس کا سبب آپ کا علمی شوق بنا۔

سب سے پہلے آپ نے فقہ محمد بن ابی لیلیٰ سے حاصل کیا جو عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کے صاحبزادے اور فتازہ تبع تابعین میں سے ہیں۔ آپ نے ان سے علمی و عملی دونوں طرح سے فیض اٹھایا ہے لیکن اس زمانہ میں کوئی بھی طالب علم اور خاص کر فقہ کا طالب علم امام صاحبؒ کی مجلس درس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ خود امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ باوجود اپنے ذاتی فضل و کمال اور علمی منزلت کے جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آیا تو سب سے پہلے امام صاحبؒ کی رائے معلوم کرنے کی کوشش کرتے، اس سے بعد کو خیال پیدا ہوا کہ امام صاحبؒ کے درس میں جی ضرور شریک ہونا چاہیے مگر اس کا احترام و لحاظ اس میں مانع تھا اس وجہ سے میری ہمت وہاں جانے کی نہیں ہوتی تھی لیکن اب میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ محمد بن ابی لیلیٰ کی مجلس سے منقطع ہو کر وہ ہمیشہ کے لیے امام صاحبؒ کی مجلس سے وابستہ ہو گئے تبع تابعین ص ۵

امام صاحبؒ نے آپ کی مالی اعانت بھی خوب کی ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے زمانہ میں آپ کو قاضی القضاۃ بنایا، اسلام میں قاضی القضاۃ کا لقب سب سے پہلے آپ ہی کو ملا، اصول فقہ حنفیہ میں سب سے پہلے آپ ہی نے تصنیف فرمائی، اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کے علم و فقہ کی نشر و اشاعت آپ ہی نے کی، ہارون الرشیدؒ آپ کی بہت عزت کرتا تھا، اور آپ کے فیصلہ کو بلا چون و چرا تسلیم کرتا تھا، آپ کی وفات ۵ ربیع الاول ۱۵۰ھ میں ہوئی، حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جنازہ اور نماز میں شرکت ذکر رکھنے پر عمر بھر

افسوس کرتے رہے، ان کے اس کثرتِ انوس کو دیکھ کر کسی نے کہا کہ ابو یوسفؒ
تو بارتہ کے ندیوں میں رہے تھے اور دنیا دار تھے آپ ان پر اتنا افسوس کیوں
فرماتے ہیں اگر نماز میں شرکت نہ ہوئی نہ سہی، تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ
رأيت البارحة كافي دخلت الجنة یعنی میں نے کل رات خواب دیکھا کہ گویا
فرأيت قصرًا قلت لمن هذا قالوا میں جنت میں داخل ہوا، پس میں نے
لا بی یوسف قلت سبحان اللہ نام ایک محل دیکھا تو میں نے پوچھا کہ یہ کس کا
استحق هذا قالوا بتعليم الناس ہے جواب ملا کہ امام ابو یوسف کا، میں
العلم وصبري على اذا هم رمفتاح نے کہا کہ سبحان اللہ انہیں یہ کیسے مل گیا؟
السعادة ^{ج ۱}، الجوهر الضئيلة ^{ج ۲} جواب ملا کہ لوگوں کو علم سکھانے اور
ان کی ایذا، رسانیوں پر صبر کرنے کی وجہ سے
امام محمدؒ کی بن معینؒ وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی تصنیفات کے متعلق
”فوائدہ“ میں لکھا ہے کہ لکھ کتاب الخردج والامالی والنوادر ان
میں سے کتاب الخروج طبع ہو چکی ہے اور عام طور پر دستیاب ہوتی ہے۔

تذکرہ امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ امام صاحبؒ کے تلامذہ میں دوسرے نمبر پر ہیں آپ کا سلسلہ نسب
یہ ہے: محمد بن حسن بن الفرقد بن ابی عبد اللہ الشیبانی، آپ کی پیدائش مقام واسط
میں ۱۲۲ھ میں ہوئی، اور کوفہ میں نشوونما پائی، آپ بے حد حسین و جمیل تھے اور
بچپن ہی سے امام صاحبؒ کے درس میں پابندی سے شریک ہوتے تھے، آپ

کے والد صاحب آپ کو امام صاحب کے درس میں شامل کرنے کے لیے لائے
تو امام صاحب نے ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر فرمایا کہ ان کا سر منڈا دیا جائے
چنانچہ آپ کے والد صاحب نے تعمیل ارشاد کی مگر اس سے حسن میں کمی ہونے
کے بجائے اور نکھار پیدا ہو گیا، حضرت وکیع جو امام شافعیؒ کے تلامذہ میں فرماے
ہیں کہ :

کنا نتجانب ان نمشی معرفی یعنی اگر طلب حدیث میں امام محمدؒ
طلب الحدیث لا من کلان غلاماً ساتھ ہو جاتے تو ہم ان سے کنارہ
جمیلا ام - مفتاح ص ۱۸ کشی کرتے تھے اس لیے کہ وہ حسین
و جمیل تھے ۔

آپ بچپن ہی سے نماز کے پابند تھے۔ ایک واقعہ سے اس کا اہتمام اور زیار
نمایاں ہو جاتا ہے کہ آپ کا ”ابھی تیرہ چودہ سال کا سن تھا کہ ایک روز ایک
مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ
مسئلہ یہ تھا کہ اگر کوئی نابالغ عشاء کی نماز پڑھ کر سو جائے اور اسی رات میں وہ
بالغ ہو تو عشاء کی نماز دہرائے گا یا نہیں؟ امام صاحب نے اثبات میں جواب
دیا، یہ سوال چونکہ انہوں نے اپنے متعلق کیا تھا اس لیے وہاں سے فوراً اٹھے
اور وضو کیا اور مسجد کے ایک گوشہ میں جا کر عشاء کی نماز دہرائی، امام صاحب
نے یہ دیکھ کر حاضرین سے فرمایا کہ انشاء اللہ یہ لڑکا رشید ہوگا و تبع تابعین جسے دل
آپ نے فقہ امام ابو حنیفہؒ سے حاصل کیا اور اس کی تکمیل امام ابو یوسفؒ
سے کی۔ حدیث میں امام مالکؒ سے استفادہ کیا، موٹا آپ نے من اولہ الی

آخرہ تین سال قیام کر کے سماعت فرمائی اور اس میں اضافہ فرمایا جو آج موطا امام محمد کے نام سے مشہور ہے۔

آپ نے بہت ہی جانفشانی اور مجاہدہ سے علم حاصل کیا اور اس کے بعد کبھی علم سے غفلت نہیں برتی، چنانچہ رات کو بہت تھوڑی دیر کے لیٹتے تھے اور فوراً اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے اور مطالعہ کتب میں مشغول ہو جاتے تھے، آپ کی والدہ نے ایک مرتبہ کہا کہ اپنے نفس پر ظلم اور زیادتی کیوں کرتے ہو، تو آپ نے فرمایا کہ امی جان لوگوں نے اپنے علم کے لیے مجھ پر اعتماد کیا ہے اور وہ سونے گئے ہیں اور یہ سمجھ لیا ہے کہ جب کسی مسئلہ کی ضرورت ہوگی تو مجھ سے پوچھ لیں گے اس لیے میں رات کو سو نہیں سکتا، پوری رات کبھی اس کتاب کو اور کبھی اس کتاب کو دیکھنے میں گزار دیتے، مطالعہ کے درمیان آپ اپنی رومی باندی سے بدن پر پانی چھڑکوا کرتے تھے، دریافت کرنے پر یہ وجہ بتلائی کہ علم ایک بھاری چیز ہے اس کو دیکھتے دیکھتے جب تھک جاتا ہوں تو دوسری کتاب اٹھاتا ہوں اور بدن میں گرمی پیدا ہو جانے کی وجہ سے نیند آنے لگتی ہے تو کپڑا اتار دیتا ہوں پھر بھی نیند آنے لگتی ہے تو اپنے بدن پر پانی چھڑکوا کرتا ہوں تاکہ نیند اڑ جائے کیونکہ کہا گیا ہے کہ العلم لا یعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک۔

امام شافعیؒ آپ کے بہت ہی مداح تھے فرماتے تھے کہ عملی حیثیت سے امام محمدؒ کا مجھ پر خیر احسان ہے دوسرے کا نہیں، کبھی فرماتے آپ سے بڑا امام میں نے کسی کو نہیں دیکھا، آپ کو دیکھنے سے آنکھوں اور قلب دونوں کو شکر محسوس ہوتا ہے۔

نیز امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ فقہ میں لوگ اہل عراق کے محتاج ہیں اور اہل عراق اہل کوفہ کے محتاج ہیں اور اہل کوفہ امام صاحبؒ کے محتاج ہیں۔
نیز امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ آپ یہ باریک باریک مسائل کہاں سے بیان کرتے ہیں تو فرمایا کہ من کتب محمد بن الحسن ۴۱۔

(الجواهر المضمیۃ ص ۴۲)

آپ کی تصنیفات کی تعداد ۹۹۹ یا نہایت کم پنہی ہے آپ کی کتابوں سے امام صاحبؒ کے مذہب کی خوب شہرت ہوئی۔ نیز آپ کے مذہب کے مسائل کی تدوین و حفاظت بھی ہوئی، ہارون الرشید نے آپ کو بھی قاضی بنایا تھا مگر زیادہ سے زیادہ چھ ماہ آپ نے یہ خدمت انجام دی پھر ۱۸۹ھ میں ہارون الرشید کے ساتھ آپ جہاد میں تشریف لے جا رہے تھے، لشکر کی تعداد بہت تھی یہاں تک اس کا پھیلاؤ تین فرسخ تک تھا۔ ایک فرسخ تقریباً تین شرعی میل کا ہوتا ہے، اور مقام رے تک پہنچے وہاں آپ کی وفات ہوئی اسی روز امام الخو کسائیؒ (یہ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے) نے بھی وفات پائی۔ دونوں ہارون الرشید کے لشکر میں تھے مگر دونوں کی قبروں کے درمیان ایک فرسخ یا تین فرسخ کا فاصلہ تھا اس لیے کہ دونوں لشکر کے الگ الگ حصہ میں تھے ان دونوں کی وفات سے متاثر ہو کر ہارون الرشید نے کہا کہ یہ مخوس شہر ہے۔ میں اس میں ایسی حالت میں داخل ہوا کہ میرے ساتھ فقہ اور ادب دونوں تھے اور ایسی حالت میں وہاں سے نکلا کہ ان میں سے کچھ بھی میرے پاس نہیں رہا اور یہ بھی کہا کہ میں نے رخی میں فقہ اور لغت کو دفن کر دیا (مفتاح السعاده ص ۸۱)

فائِلہ

جب ائمہ ثلاثہ اخاف کہا جاوے تو اس وقت یہ تینوں امام یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، اور امام محمدؒ مراد ہوتے ہیں اور شیخین کہا جاوے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ مراد ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ دونوں شیخ اور تلامذہ ہیں امام محمدؒ کے، اور جب صاحبین کہا جاوے تو اس وقت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ مراد ہوتے ہیں اس لیے کہ امام صاحب کی شاگردی اور ان سے تحصیل علم میں دونوں ساتھی ہیں، اور جب طرفین کہا جاوے تو مراد امام اعظمؒ اور امام محمدؒ ہوتے ہیں اس لیے کہ ان تینوں میں طرف اعلیٰ امام ابو حنیفہؒ اور طرف ادنیٰ امام محمدؒ ہیں، اور جب ائمہ اربعہ کہا جاوے تو اس وقت مذاہب اربعہ مشہورہ کے بانی مراد ہوتے ہیں یعنی سراج الائمۃ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اور محدثین جب شیخین کہیں تو اس وقت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ مراد ہوتے ہیں، اور اصحاب سیر جب شیخین کہیں تو اس وقت حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مراد ہوتے ہیں۔

تذکرہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ :

آپ امام صاحبؒ کے شاگردوں میں بہت زیادہ زمین اور متقی تھے، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے : زفر بن الہذیل بن قیس بن سلیم بن قیس بن مکمل بن زہل

بن زویب بن خزیمہ بن عمرو بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (فوائد بھیمہ ص ۶۵)
 آپ کی پیدائش سلسلہ میں ہوئی ہے آپ کے ایک بھائی بصرہ میں رہتے
 تھے کہ ان کی میراث سے حصہ لینے کے لیے بصرہ گئے تو بصرہ والوں نے آپ کو
 وہاں سے واپس آنے ہی نہ دیا اور وہاں روک لیا، آپ کے آباؤ اجداد اصفہان
 کے باشندے تھے، آپ کو امام ابو یوسفؒ سے زیادہ متورخ کہا گیا ہے چنانچہ
 حکومت نے آپ کو بھی عہدہ قضا سپرد کرنا چاہا مگر آپ اپنے لیے اس
 کو بالکل ہی پسند نہیں کیا بلکہ ہمارے چھوٹے کردار پوش ہو گئے۔
 آپ کے نکاح میں امام ابو حنیفہؒ شریک ہوئے اور نکاح کا جو خطبہ پڑھا۔
 اس میں حسب ذیل الفاظ تھے :-

هذا زفر بن هذيل امام من أئمة المسلمين وعلم من اعلامهم
 في شرف وحب وعلمهم (الجواهر المصنعة ص ۲۴)

استاذ کی اور وہ بھی امام ابو حنیفہؒ جیسے استاذ کی یہ شہادت اپنے شاگرد کے
 لیے بہت ہی دقیق سمجھنی چاہیے، داؤد طائیؒ سے آپ کی گہری دوستی تھی دیکھیں
 جو امام شافعیؒ کے استاذ ہیں آپ کے شاگرد ہیں، آپ امام صاحبؒ کے شاگرد
 قیاس میں زیادہ معروف ہیں۔ امام زفرؒ کا جو اختلاف ہوتا ہے اس میں زیادہ
 ترقیاس کو دخل ہوتا ہے۔

امام زفرؒ کے مقیسات میں سے کل ترہ مسائل ایسے ہیں جن پر علمائے
 کرامؒ نے فتویٰ دیا ہے۔ علامہ شامیؒ نے باب النفقہ رد المحتار ص ۶۲ میں
 بائیس اشعار میں ان ترہ مسائل کو جمع کر دیا ہے۔ بطور نمونہ تین شعر درج ہیں :-

مجدد اللہ العالمین مبدلہ اتوج نطی والصلاۃ علی العلی
 وبعد فلا یفتی بما قالہ زفر موسیٰ صومعشرین تقیرہا نجلی
 جلوس مدعی مثل حال تشہد کذا من یصلی قاعدًا متنفلاً
 امام زفر فرماتے ہیں کہ ماخالفتم اباحیہ فقر فی قول الا وقد کان
 ابو حنیفہ یقول بمرام الجواہر ص ۲۴۲۔ یعنی میں نے امام ابو حنیفہ سے جس
 قول میں مخالفت کی ہے وہ پہلے ان کا قول رہا چکا ہے اور ”الفوائد البہیہ“ میں
 لکھا ہے کہ :-

لا ناخذ بالرأی مادام اثرًا واذا یعنی جب تک کوئی روایت موجود ہو
 جاز الا اثر ترکنہ الرأی۔ ہم قیاس کو اختیار نہیں کرتے اور جب
 بھی روایت ملتی ہے اسے کو چھوڑ
 دیتے ہیں۔

آپ کی وفات ۱۵۸ھ میں صرف ۴۸ سال کی عمر میں نین عالم شباب میں
 ہوئی، جس وقت آپ کی وفات ہوئی اس وقت آپ کے پاس کمال زہد و ورع
 کی وجہ سے ایک پائی بھی نہیں تھی، آپ کی وفات بڑا نہ خلافت مہدی مقام
 بصرہ میں ہوئی۔

تذکرہ امام حسن بن یادلؤلوی رحمۃ اللہ علیہ :

آپ انصاری الاصل اور کوئی ہیں، آپ کے والد بزرگوار موتیوں کے تاجر
 تھے اس لیے آپ لؤلؤی سے مشہور ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے :

حسن بن یار اللؤلؤی الکوفی الحنفی۔

آپ خوبصورت، ذکی، فہیم اور متقی پرہیزگار تھے، عاشقِ سنت اور حافظِ حدیث تھے، امام صاحب کے اجل تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے، "الفوائد البہیہ" میں آپ کو دوسری صدی کا مجدد و نبلیا گیا ہے اور آپ کی تصانیف میں البحر و اورامالی کے نام ملتے ہیں، آپ کے معمولات منضبط تھے۔ صاحبِ مفتاح السعادرہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"آپ نماز صبح کے بعد مسائلِ فروع کا درس دیتے تھے پھر اپنے گھر میں تشریف لے جاتے تھے وہاں ظہر تک اپنے حوایج میں مشغول رہتے تھے، پھر ظہر کے لیے تشریف لاتے تھے اور عصر تک وقائع کی مجلس ہوتی تھی، پھر عصر پڑھتے تھے اور فراغت پر مغرب تک اصول میں بحث ہوتی تھی پھر مغرب پڑھ کر گھر میں تشریف لے جاتے تھے، پھر جب باہر آتے غشاء تک پیچیدہ مسائل میں کلام فرماتے، پھر جب غشاء پڑھ لیتے تو درود و صایا کے مسائل کے لیے تہائی رات تک مجلس ہوتی آپ علم میں غور و فکر کرنے میں کبھی سستی نہیں کرتے تھے، آپ کی ایک باندی تھی جو آپ کے کھانے و ضو، اور دیگر مشغولیت کے وقت آپ کے سامنے مسائل پڑھتی تھی یہاں تک کہ آپ اس سے فارغ ہو جاتے (صفحہ ۱۲)۔

۸۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی، اسی سال مصر میں امام شافعیؒ نے بھی

وفات پائی۔

امام صاحب کے دیگر تلامذہ

ان چار کے علاوہ امام صاحب کے دوسرے تلامذہ جنہوں نے شہرت پائی
ان میں داؤد بن نصیر طائی، عبد اللہ بن مبارک، وکیع بن الجراح، وغیرہ ہیں۔ امام
صاحب کے صاحبزادے حماد اور آپ کے پوتے اسماعیل نے بھی فقہ میں مہارت
حاصل کی ہے اور مخلوق کو اپنے علمی و روحانی فیوض سے مستفید کیا ہے۔ مفتاح
السعاده کے مصنف علامہ احمد بن مصطفیٰ المعروف بہ طاش کبریٰ نے ص ۱۲۱ میں کیا
ہی خوب لکھا ہے :-

واعلم ان الاثمة المذین اخذوا العلم عن الامام لا يحسون عددًا
وقد عرفوا منهم سبع ما تروى ثلاثين رجلا من مشايخ البدران واثمة
المسلمين الذين وصل اليك العلم بسعيهم واجتهادهم جزاهم الله عنا
وعن الاسلام وعن كافة المسلمين خيري الجزاء وحشرنا معهم وحشرهم
مع النبيين والصدّيقين والشهداء اامين وصلى الله تعالى على خير
خلق محمد وال وصحبه وعلماؤهم اجمعين . اامين .

طبقات فقہاء

علامہ شامی نے شرح فقہوسم المنقح ص ۲۵ میں لکھا ہے :-

ان الواجب علی من اراد ان يعمل
لنفسه وليقى لغيره ان يتبع
يعني جو شخص فقہی نروعات پر عمل کرنا
چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ

القول الذی رجحہ علماء مذہبہ
 جو راجح اور معمول بہا قول ہے اس
 پر عمل کرے لیکن یہ بات اس وقت
 ممکن ہے کہ پہلے قائل کس درجہ کا فقیہ
 ہے اس کو معلوم کرے تاکہ گزور قول
 پر عمل یا قوی قول کا ترک لازم نہ آئے۔
 ابن کمال پاشا نے فقہاء کو ودایت کے اعتبار سے سات طبقوں میں تقسیم کیا
 ہے جو مندرجہ ذیل ہیں :-

پہلا طبقہ :

وہ حضرات جو اذکار لبعہ یعنی قرآن احادیث، اجماع اور قیاس سے اجتہاد
 کر کے مسائل کے استخراج کی قوت رکھتے ہیں اور اصول استنباط بھی خود ان کے
 اپنے وضع کیے ہوئے ہیں جو اصول و فروع میں کسی کے مقلد نہیں ہیں ان کو مجتہد
 مطلق اور مجتہد فی الشرع بھی کہا جاتا ہے اور یہی حضرات پہلے طبقہ میں شمار ہوتے
 ہیں۔

دوسرا طبقہ :

وہ حضرات جو اجتہاد کی صلاحیت تو رکھتے ہیں مگر اصول میں وہ کسی امام کے
 مقلد ہیں اور طرز اجتہاد میں کسی امام کی پیروی اور تقلید کرتے ہیں البتہ فروعات میں
 اپنے اجتہاد کی وجہ سے کسی کے مقلد نہیں ہیں ان کو مجتہد فی المذہب کہا جاتا ہے

اور وہ دوسرے طبقہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ جیسے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ
نیز امام اعظمؒ کے دوسرے مجتہد تلامذہ۔

تیسرا طبقہ :

وہ حضرات جو نہ اصول میں اپنے امام کی مخالفت کر سکتے ہیں نہ
فروع میں البتہ ان میں اصول کے استفسار کی وجہ سے اتنی استعداد ہوتی ہے
کہ صاحب مذہب سے جس مسئلہ میں کوئی روایت مروی نہ ہو اس کا حکم استنباط
کر کے بیان کریں۔ ان حضرات کو مجتہد فی المسائل کہا جاتا ہے اور تیسرے طبقہ میں
شمار کیے جاتے ہیں۔ جیسے امام ابو جعفر طحاویؒ، امام احمد بن عمر خفافؒ، امام ابو
الحسن کرخؒ، امام شمس الامراء حلوانیؒ، شمس الامراء سرخسیؒ، امام فخر الاسلام بردویؒ اور فخر
الدین قاضی خاں وغیرہ۔

چوتھا طبقہ :

وہ حضرات جن میں اجتہاد کی بالکل قابلیت نہیں ہوتی، البتہ اصول میں مہارت
اور دلائل میں نظر ثانی ہونے کی وجہ سے کسی مجمل قول کی تفصیل اور رد و جہین
قول کی تعیین کر سکتے ہیں، ان کو اصحاب تخریج کہتے ہیں اور یہ حضرات چوتھے طبقہ میں
شمار ہوتے ہیں جیسے امام جصاصؒ رازیؒ وغیرہ۔

پانچواں طبقہ :

وہ فقہاء جو تقلد محض ہوں البتہ دلائل کے سامنے رکھ کر مختلف روایات میں بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہوں اور ایک قول کی دوسرے قول پر اذیت بتلاتے ہوں مثلاً یہ فیصلہ کرتے ہوں کہ هذا اولیٰ، هذا اصح، هذا اذق باقیات وغیرہ ایسے حضرات اصحاب ترجیح کہلاتے ہیں اور پانچویں طبقہ میں شمار کیے جاتے ہیں، جیسے امام ابو الحسن قدوسی، صاحب ہدایہ وغیرہ۔

چھٹا طبقہ :

وہ فقہاء جو صرف تقلد ہوں مگر ان میں قوی، ضعیف، ظاہر روایت اور نوادرات میں اور مقبول و مردود روایات میں فرق اور تمیز کرنے کی صلاحیت نہ ہو لہذا ان کو اصحاب تمیز کہتے ہیں اور چھٹے طبقہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ جیسے ستون معتبرہ کے مصنفین، صاحب وقایہ، صاحب کنز، صاحب فنار اور صاحب مجمع وغیرہ۔

ساتواں طبقہ :

ان تقلدین کا ہے جن کو مذکورہ چیزوں میں سے کسی بات پر قدرت نہیں ہوتی بلکہ وہ حضرات جو قول جہاں پاتے ہیں نقل کر دیتے ہیں یہ لوگ بتقلد محض کہلاتے ہیں اور ساتویں طبقہ میں شمار ہوتے ہیں ان کے اقوال پر علماء کو اپنا آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے فالویل لمن قلب ہم کل الویل۔

مولانا عبدالحی کھنویؒ نے مقدمہ مدۃ الرعایہ میں غلامہ کفوئیؒ سے فقہاء
کی یہ طبقاتی تقسیم اور طرح سے نقل کی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں کہ :-
فما علم انہ ذکر الکفوئی فی طبقات الحنفیہ ان الفقہاء یعنی
من المشائخ المقلدین علی خمس طبقات الخ -

لیکن ان دونوں تولوں کوئی تدارض نہیں ہے کیونکہ کفوئیؒ نے دو قسموں
کو بیان نہیں کیا ہے ایک پہلی قسم یعنی مجتہد مطلق، اور ایک اخیرى قسم یعنی تقلد
فمن دعاہ لوگوں کا سب سے اخیرى طبقہ، اگر دونوں کو ذکر کرتے تو ان کے
یہاں بھی سات قسمیں ہو جاتیں، البتہ غلامہ ملاؤ الدین حنفیؒ سے اس سلسلہ میں
تسامح ہو گیا ہے، انہوں نے درمختار میں لکھا ہے کہ: قد ذکرنا ان المجتہد
المطلق قد فقدا اما المقید فعلى سبع طبقات مشہورۃ ۱۴۰۰ الا کہ مقتدیہ
سات طبقے نہیں ہیں بلکہ صرف چھ ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ ابن کمالؒ اپنا کہ یہ طبقاتی تقسیم
اپنی جگہ پر صحیح ہے مگر اس میں فقہاء کی جو درجہ بندی کی گئی ہے وہ محل نظر ہے۔

پہلا اشکال یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو صنف ثانیہ میں شمار کیا ہے
اور لکھا ہے کہ یہ لوگ اصول ہیں، اپنے امام کی مخالفت نہیں کر سکتے حالانکہ ان حضرات
نے کثرت سے امام صاحبؒ کی اصول میں بھی مخالفت کی ہے مثلاً بجا حقیقت کا
نائب حکم میں ہوتا ہے یا حکم میں؟ اسی طرح نجاست غلیظہ اور خفیفہ کی بنیاد مقرر
کرنے میں چنانچہ امام غزالیؒ نے ”المنحول“ میں لکھا ہے کہ انہما خالفوا ابا حنیفہؒ
فی ثلثی مذہبہما۔ اس اشکال کا ایک جواب محمد بن عبدالستار کروریؒ نے دیا ہے
کہ خود امام صاحبؒ نے جب ان کی علمی اور اجتہادی استداد خوب جانچ لی تو ان کو

تقلید کرنے سے منع فرمایا کیونکہ جہد کے لیے کسی کی تقلید کرنا درست نہیں ہے۔
 اسی لیے فرمایا: لا یحل لاحد ان یأخذ بقولی عالم ینزل من این ذلک۔
 اس وجہ سے انہوں نے دلائل کو دیکھنا شروع کیا بعض جگہ ان کو دلیل معلوم نہ ہو
 سکی بلکہ امام صاحبؒ کے قول کے خلاف دلیل معلوم ہوئی تو انہوں نے امام صاحبؒ
 کے ارشاد ہی سے امام صاحبؒ کا خلاف کیا۔

دوسرا جواب مولانا عبدالحی نے دیا ہے: ماتے ہیں: الخ انہما مجتہدان
 مستقلان نالارتبتر الاجتہاد المطلق الا انہما لحسن تعظیمہما لامتاذہما
 وفرط اجلالہما لامہما اصلاً۔ وسکا نحوہ۔ وتوجہا الی نقل
 مذہبہ وتائیدہ وانتصارہ وانتساب الیر (مقدمہ فمدۃ الزمانہ)۔
 یعنی صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات جہد مطلق تھے انہوں نے یہ درجہ حاصل کر لیا
 تھا مگر اپنے استاد رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت شان اور تعظیم و ادب کی وجہ سے انہیں کے
 اصول کے تابع رہے اور انہی کے مذہب کی نشر و اشاعت کر کے اس کی تائید و
 نصرت کرتے رہے اور انہی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ انہوں نے علامہ خاںؒ اور طواری و نرشی رحمہم اللہ
 تعالیٰ کو تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے یعنی ان حضرات میں شمار کیا ہے جو نہ اصول میں
 مخالفت کر سکتے ہیں نہ فروغ میں۔ الا انہ ان حضرات کا درجہ اس سے اونچا ہے
 کیونکہ انہوں نے بہت سے مسائل میں امام اعظمؒ کا خلاف کیا ہے جیسا کہ کتب فقہ
 اور کتب خلافیات دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

تیسرا اشکال یہ ہے کہ انہوں نے ابو جبر جصاص رازی کا درجہ گھٹا دیا ہے کیونکہ

اے کو جو تھے طبقہ میں شمار کیا ہے حالانکہ آپ تیسرے طبقہ والوں سے یعنی شمس
الائمہ حلوانی اور قاضی خان وغیرہ سے راز اور علم و رتبہ کے اعتبار سے بڑھے
ہوئے ہیں یہ حضرات تو ان کے مقابلہ میں بمنزلہ بچوں کے ہیں۔ اسی طرح صاحب
ہدایہ اور قدوری کا درجہ بھی گنا دیا ہے حالانکہ یہ حضرات بھی قاضی خان سے بڑھے
ہوئے ہیں اور بالفرض بڑھے ہوئے نہ ہوں تو بلکہ بڑے کے تو ضرور ہیں پس چاہیئے
تفاد کہ قدوری اور صاحب ہدایہ کو بھی تیسرے درجہ میں شمار کرتے اس لیے کہ خود
قاضی خان اور زرین الدین عثمانی سے نقل کیا گیا ہے کہ صاحب ہدایہ فقہ میں اپنے
معصروں پر فوقیت رکھتے تھے بلکہ اپنے اساتذہ سے بھی بہت لے کئے تھے۔

کیا اب بھی مجتہد مطلق پیدا ہو سکتے ہیں؟

التامع البید لمن اطاع الامام الصغیر . مقدمہ جامع الفوائد
محررہ دلائل احمدی . اس کے مندرجہ ذیل ایک بحث یہ چھیڑ رہی ہے کہ اس
وقت اجتماع کی گنجائش ہے یا نہیں؟ آپ نے اس سلسلہ میں چند اقوال نقل کیے
ہیں۔

ایک یہ کہ ائمہ اربعہ پر اجتہاد ختم ہو گیا ہے اب کوئی مجتہد پیدا نہیں ہو سکتا
لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ ائمہ اربعہ کے بعد بھی کچھ اس لوگ اس درجہ پر
پہنچے ہیں مگر یہ اتفاق کی بات ہے کہ ان ۱۰ مسلمان چل نہیں سکتا۔
دوسرا قول یہ ہے کہ تیسری صدی کے بعد اجتہاد موقوف ہو گیا ہے۔
تیسرا قول: فقہ اسدایوں سے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے بعد کوئی مجتہد

مطلق پیدا نہیں ہوا۔ میزان الاعتدال میں علامہ شعرانی نے ذکر کیا ہے کہ علامہ سیوطی کا قول یہ ہے کہ اجتہاد مطلق کی دو قسمیں ہیں ایک مجتہد مطلق غیر منتسب جیسے ائمہ اربعہ، دوسری قسم مجتہد مطلق منتسب جیسے ان کے اکابر و تلامذہ۔ پہلی قسم مجتہد مطلق غیر منتسب ہونے کا دعویٰ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی نہیں کر سکتا، محمد جریطری نے ایسا دعویٰ کیا مگر انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی، البتہ مجتہد مطلق منتسب پیدا ہو سکتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ علامہ نسفی کتاب اجتہاد ہو سکتا تھا اب نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اجتہاد اللہ تعالیٰ کی ایک خاص رحمت اور فضل ہے جو کسی خاص زمانہ اور وقت تک محدود نہیں ہے اس لیے اب بھی اس کا امکان ہے کہ مجتہد مطلق پیدا ہوں مگر عالم واقعہ میں ائمہ اربعہ کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا ہے گو کہ امکان ضرور ہے۔

طبقات کتب و طبقات مسائل :

جس طرح فقہائے کرام کے درجات ہیں اسی طرح فقہ حنفی کے مسائل اور کتابوں کے بھی درجات ہیں جن کا جاننا ضروری ہے تاکہ جس وقت اقوال میں تعارض معلوم ہو راجح پر عمل کر سکے۔ فقہ حنفی کے مسائل تین طبقات پر منقسم ہیں: پہلا طبقہ ظاہر و روایت کا ہے ان کو مسائل اصول بھی کہا جاتا ہے یہ وہ مسائل ہیں جو امام محمدؒ کی چھ کتابوں میں مذکور ہیں وہ چھ کتابیں یہ ہیں: جامع صغیر، جامع کبیر، تیسرے صغیر، تیسرے کبیر، مبسوط اور زیادات۔ ان کتب کے مسائل کو ظاہر و روایت

اس لیے کہتے ہیں کہ صاحب مذہب تک ان کی سند ظاہر اور معلوم ہے، جب تک ان مسائل کے خلاف عمل کی ترجیح کسی دلیل سے معلوم نہ ہو وہاں تک ان پر عمل کرنا ضروری ہے، مبسوط کا دوسرا نام اصل بھی ہے اس لیے کہ امام محمدؒ نے سب سے پہلے اسی کو تصنیف کیا ہے۔

مبسوط کو دیکھ کر ایک یہودی حکیم یہ کہتے ہوئے مسلمان ہو گیا تھا ہذا کتاب محمدکم الصغیر فکیف کتاب محمدکم الکبیر (رحمادی)

جامع صغیر میں ۱۵۳۲ مسائل ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے صرف دو مسئلوں میں قیاس اور استحسان سے کام لیا گیا ہے، مشائخ کے نزدیک اس کتاب کی بہت زیادہ اہمیت رہی ہے حتیٰ کہ جب تک اس کو حفظ نہ کر لیا جاتا عہدہ قضاء سپرد نہیں کیا جاتا تھا۔ امام ابو یوسفؒ کی فرمائش پر امام محمدؒ نے یہ کتاب لکھی ہے جب امام محمدؒ نے یہ کتاب لکھ کر پیش کی تو امام ابو یوسفؒ بہت خوش ہوئے اور بہت سی دعائیں دیں اور یہ فرمایا کہ امام محمدؒ سے چار مسائل میں سہو ہو گیا ہے ان کی روایت میں نے نہیں کی، ان چار میں سے ایک سئلہ یہ ہے کسی نے نفل کی نیت سے چار رکعت نماز اس طرح پڑھی کہ اول رکعت میں قرات پڑھی، دوسری میں ترک کی، تیسری میں پڑھی اور چوتھی میں ترک کی اس کا کیا حکم ہے؟ امام محمدؒ کو جب معلوم ہوا تو کہا میں نے غلطی نہیں کی امام ابو یوسفؒ نے مجھ سے یہ روایت کی تھی لیکن خود انہیں یاد نہیں رہا، امام ابو یوسفؒ اپنی جلالتِ شان کے باوجود اپنے سفر و حضر میں یہ کتاب اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

دوسرا طبقہ ”نوادر“ کا ہے، یہ وہ مسائل ہیں جو ائمہ ثلاثہ حذیبہ سے مروی تو ہیں

مگر امام محمدؒ کی مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ دیگر کتابوں میں ہیں مثلاً کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات وغیرہ کتابوں میں یا امام ابو یوسفؒ کی امالی میں ہیں، ان کو غیر ظاہر روایت بھی کہتے ہیں اس لیے کہ ان کی سند ظاہر نہیں ہے۔

کیسانیات وہ مسائل ہیں جن کو سلمان بن شعیب کیسانیؒ نے امام محمدؒ سے روایت کیا ہے اور ہارونیات وہ مسائل ہیں جن کو ہارون الرشید کے زمانہ میں جمع کیا ہے اور مسائل علی بن صالح جرجانیؒ نے امام محمدؒ سے روایت کیے ہیں ان کو جرجانیات کہا جاتا ہے اور رقیات وہ مسائل ہیں جن کو امام محمدؒ نے مقام رقبہ میں قاضی ہونے کے زمانہ میں جمع کیا تھا، امالی جمع ہے املا کی پہلے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ اساتذہ مدرس پر بیٹھ جاتا تھا اور اپنے حافظہ سے شاگردوں کو مسائل لکھواتا تھا اور جو کچھ جمع ہو جاتا اس کو کتابی شکل دے دی جاتی۔ اس کو امالی کہا جاتا ہے، علمائے شافعیہ اس کو تالیفات بھی کہتے ہیں۔

تیسرا طبقہ فتاویٰ اور واقعات کا ہے اور یہ وہ مسائل ہیں جن کو متاخرین نے کسی ایسے واقعہ کے متعلق جس کے سلسلہ میں صاحب مذہب سے کوئی روایت موجود نہیں ہوتی استنباط کیا ہوتا ہے۔ مثلاً امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے شاگردوں میں عصام بن یوسف بن رستم، محمد بن سماعہ، ابوسلیمان جوزجانی، ابو جعفر بخاری، محمد بن سلمہ وغیرہ کے اس قسم کے استنباطات کو فتاویٰ اور واقعات کہا جاتا ہے۔ واقعات اور فتاویٰ میں سب سے پہلے امام الہدیٰ فقیہ البوالایت سمرقندی نے کتاب النوازل تصنیف فرمائی ہے۔ انہوں نے اس میں متاخرین علماء

یعنی اپنے مشائخ و اساتذہ کے فتاویٰ بھی جمع کیے ہیں، پھر ان کے بعد علمائے کرام ان کا اتباع کرتے ہوئے واقعات کی کتابیں لکھیں اور مسائل مختلطہ کو ترتیب وار جمع کیا۔ مثلاً فتاویٰ قاضی خان، خلاصۃ الفتاویٰ وغیرہ۔
حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ محققین فقہاء کے نزدیک مسائل کی چار قسمیں ہیں:-

قسم اول: ظاہر مذہب کے مسائل ان کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر حال میں قبول کیے جائیں گے۔ قسم دوم: روایات شاذہ جو امام صاحب سے نقل کی گئی ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک اصول مقررہ کے موافق نہ ہوں تسلیم نہیں کی جائیں گی۔
قسم سوم: متاخرین کے مستنبطات یعنی متاخرین کے نکالے ہوئے وہ مسائل جن پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہو چکا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ ہر حال میں ان سے فتویٰ دیا جائے گا۔ قسم چہارم: وہ مسائل مستنبطہ جن پر جمہور فقہاء کا اتفاق نہ ہوا ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اصول مقررہ اور کلام سلف صالح سے ملایا جائے گا اگر موافق ہوں تو تسلیم کیے جائیں گے ورنہ ان کو ترک کر دیا جائے گا۔

اگر متون، شرواح اور فتاویٰ کے مسائل میں تعارض ہو تو متون کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ ان کے مصنفین نے یہ التزام کیا ہے کہ غیر معمول بہا یا ضعیف مسائل کو ذکر نہ کریں۔ متون معتبرہ چار ہیں، ۱۔ وقایہ، ۲۔ کنز الدقائق، ۳۔ مجمع البحرین، ۴۔ تنار۔ بعض حضرات کے نزدیک تنار کے بجائے مختصر القدوری متون اربعہ میں داخل ہے اس کے بعد شروح معتبرہ کو فتاویٰ پر ترجیح ہوگی اس کے بعد فتاویٰ کا درجہ ہے۔

مقدمین و متاخرین :

نتیجہ کے لیے لازم ہے کہ مقدمین اور متاخرین کا فرق یاد رکھے، مقدمین وہ حضرات ہیں جنہوں نے امام اعظمؒ اور صاحبین کا زمانہ پایا، اور ان سے فیض حاصل کیا اور جنہوں نے ائمہ ثلاثہ سے فیض نہیں پایا ان کو متاخرین کہتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ امام محمدؒ تک کے علماء کو مقدمین اور ان کے بعد سے ائمہ الدین بخاری تک کے علماء کو متاخرین کہتے ہیں۔ علامہؒ ذہبی نے میزان میں مقدمین اور متاخرین کے درمیان حد فاصل تیسری صدی کا شروع قرار دیا ہے یعنی تیسری صدی سے پہلے تک کے علماء مقدمین کہلاتے ہیں اور تیسری کے آغاز سے متاخرین۔

سلف و خلف :

فقہاء کی اصطلاح میں امام اعظمؒ سے امام محمدؒ تک سلف اور امام محمدؒ کے بعد سے ائمہ ثلاثہ حوائی تک خلف کہلاتے ہیں۔ قالوا :۔ لفظ قالوا کا استعمال فقہاء وہاں کرتے ہیں جہاں فقہاء کا اختلاف ہو۔

قبیل :۔ بارہا فقہاء کسی حکم کو بیان کرتے ہوئے قبیل کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور تشریح اور محشی حضرات اس کے نیچے لکھ دیتے ہیں کہ یہ اس حکم کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس صیغہ کے

استعمال کرنے والے نے یہ التزام کیا ہے کہ وہ کسی حکم مرجوح کو اس صیغہ سے بیان کیا کرے گا تب یہ لفظ اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ ہوگا۔ جیسے ملتی الا بحر کے مصنف کی عادت ہے جیسا کہ خود انہوں نے دیباچہ میں اس کی تصریح فرمادی ہے ورنہ اس لفظ کے استعمال سے اس کے ضعف کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے علامہ شرنبلالیؒ نے فرمایا ہے قیل لیس کل ماد دخلت علیہ یكون ضعيفا کہ ہر وہ مسئلہ جس پر قیل آیا ہو اس کا ضعیف ہونا ضروری نہیں اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ جو مشہور ہو گیا ہے کہ قیل اور يقال اور اس جیسے صیغے تملیض ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ صیغے اسی معنی کے لیے وضع کیے گئے ہیں اور ہر وقت اسی مقصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں بلکہ یہ بات صرف اس وقت ہے جب کہ اس کے قائل کے التزام سے یا کلام کے سیاق و سباق سے یا کسی دوسرے قرینہ سے یہ بات معلوم ہو جائے ورنہ یہ تملیض کے لیے نہیں ہوں گے۔

یذبغی اور لا یذبغی :: متقدمین فقہاء کے یہاں اس کا استعمال عام ہے لیکن متأخرین کے نزدیک یذبغی مستحب کے لیے اور لا یذبغی مکروہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور مصباح النیر کے مصنف کی رائے یہ ہے کہ اس کے معنی کبھی ”یحب“ اور کبھی ”یذب“ کے ہوتے ہیں، یعنی جیسا موقع ہوگا اسی کے مطابق استعمال ہوگا۔ علامہ شامیؒ نے کہا ہے کہ یذبغی سے وجوب مراد لیا جائے گا۔ اگرچہ کبھی یہ لفظ غیر وجوب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ لا بأس :: کا استعمال ترک ادلی کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ مندوب

میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ لہذا اس پر دلیل ہے کہ یہ کام غیر مستحب ہے
لیکن مندوب و مستحب میں بھی کبھی کبھی یہ لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے۔

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

